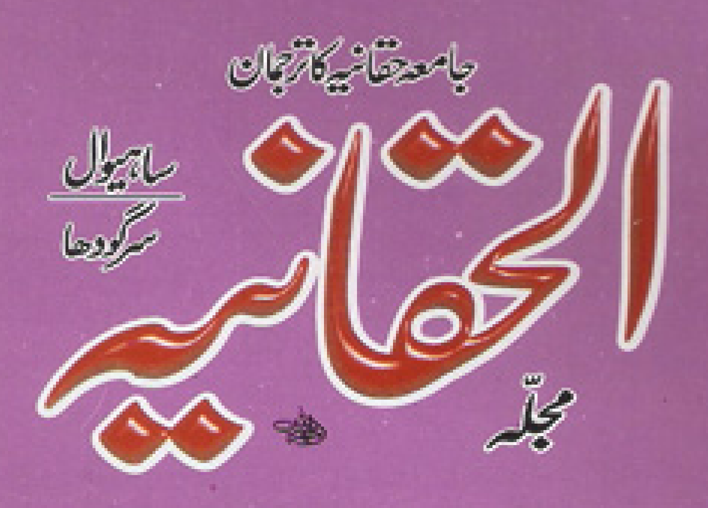


رجب المرجب/شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ/مئی ۲۰۱۶ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

جامع المحاسن والکمالات شیخ الکل

حضرت مولانا عبیداللہ القاسمی قدس سرہ

وماکان قیس هلکه هلك واحد ولٰکنه بنیان قوم تهدما

مؤرخہ ۱۰؍ مارچ ۲۰۱۶ء جمعرات شام کے وقت برادر عزیز مولوی عبدالعظیم ترمذی سلمہ اللہ تعالیٰ نے فون پر بتایا کہ حضرت مولانا عبیداللہ قاسمی مہتمم جامعہ اشرفیہ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، وہ ہسپتال میں ہیں اور حالت بھی تشویش ناک ہے احقر کو اس خبر سے بڑا دھچکا لگا اور افسوس ہوا، حضرت کی صحت اور طول حیات کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ صبح فجر میں اطلاع ملی کہ حضرت اذان فجر کے وقت اس دار فانی سے رخصت ہو کر عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں، اناللہ واناالیہ راجعون۔

عزیزم محترم مولوی محمد صدیق سلمہ اور برخوردار عبدالملک ترمذی کے ہمراہ احقر جمعہ سے قبل لاہور پہنچا، جمعہ حسن ٹاؤن کی مسجد میں پڑھایا، پھر جامعہ اشرفیہ پہنچے تو جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا جمعہ کے بعد سوا تین بجے حضرت مولانا ارشد عبید مدظلہم نے حضرت کا جنازہ پڑھایا جس میں ہر طبقہ کے حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی، جنازہ میں بہت بڑا ہجوم تھا باوجودیکہ حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا عوامی حضرات سے زیادہ رابطہ نہ تھا، ہمیشہ گوشہ خفا میں رہے اور

خمولی اطیب الحات عندی واعزازی لدیهم فیه عار

پر ساری عمر ان کا عمل رہا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو خود ہی محبوبیت ومقبولیت کا ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اخفاء کے باوجود ان کی برتری ظاہر ہو کر رہتی ہے اور وہ حضرات صحیح معنیٰ میں یوضع له القبول فی الارض کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

حضرت کے جنازہ کا ہجوم اور رش دیکھ کر بندہ کے دل میں اسی قسم کے خیالات آرہے تھے۔حضرت کی وفات سے ایک قرن کا خاتمہ ہوا،اوروہ خوش قسمت افراد جو براہ راست حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہما کے تلمیذ رشید اوران سے شرف بیعت رکھتے تھے اب ختم ہوئے۔

اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد پچپن سال تک آپ نے جامعہ اشرفیہ جیسے عظیم اور بین الاقوامی ادارہ کا اہتمام سنبھالا اوراس کی مسند پر درس حدیث دیا،اس کے ساتھ مسجد حسن کی بے مثال خطابت بھی کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کوطویل عمر عطا فرمائی اورآپ سے دین کا خوب کام لیا،دین کے مختلف شعبوں میں آپ کی خدمات کو ہمیشہ یادرکھا جائے گا اور یقیناً یہ خدمات آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مہتمم صاحب ایک علمی گھرانہ کے چشم وچراغ تھے۔آپ ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیدا ہوئے۔آپ کا نام عبیداللہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہ نے رکھا۔۹ سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم قاری کریم بخش صاحب سے حفظ کیا۔ابتدائی تعلیم اور کافیہ کے بعد کی کتب موقوف علیہ تک اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں دورۂ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند میں پڑھا جب آپ دیوبند داخلہ کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نے آپ کو دیکھ کر بڑے تعجب کا اظہار کیا،لیکن جب آپ نے امتحان میں حضرت کے تمام مشکل سوالات کا صحیح صحیح جواب دیا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور آپ کو دورۂ حدیث میں داخلہ دے دیا۔ وہاں بخاری شریف ،ترمذی شریف

آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے پڑھیں۔ مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ،ابوداودشریف حضرت مولانا اعزازعلی صاحب، طحاوی شریف حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور ابن ماجہ حضرت مولانا نافع گل صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سے پڑھی۔ جبکہ میزان سے بخاری شریف تک ہر کتاب کا آغاز حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے کیا اور بچپن ہی میں بیعت کا شرف بھی حضرت حکیم الامت سے حاصل کیا۔

۱۹۴۲ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے اعلیٰ نمبروں میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، پھر امرتسر مدرسہ نعمانیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا اور ہجرت کے بعد پہلے نیلا گنبد اور پھر مسلم ٹاؤن میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، جب استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تو حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی خواہش پر آپ نے منطق کی بعض کتابیں حضرت سے پڑھیں۔

۱۹۶۰ء تک نائب مہتمم اور پھر جون ۶۱ء میں آپ کو جامعہ اشرفیہ کا مہتمم بنا دیا گیا، اس طرح تدریس کے ساتھ ساتھ اہتمام کی خدمات کا سلسلہ پچپن سال تک جاری رہا۔

آپ کے والد ماجد چونکہ تحریک پاکستان کے زبردست حامی تھے اس لیے آپ نے بھی پاکستان کی حمایت میں حصہ لیا اور تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان بنا تو یہاں بھی آپ نظام اسلام کی جدوجہد میں ہمیشہ حصہ لیتے رہے۔

۱۹۷۰ء میں سوشلزم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، مجلس صیانۃ المسلمین، مرکزی جمعیت علماء اسلام میں کلیدی عہدوں پر فائز رہے، بلکہ حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد آخر تک صیانۃ المسلمین کے آپ ہی صدر رہے لیکن شہرت سے آپ کو نفرت تھی، اس لیے اخباری بیان اور عام بیانات سے ہمیشہ الگ رہے اور دراصل یہ اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی نصیحت پر عمل تھا، حضرت نے آپ کو شہرت سے بچنے کی نصیحت

فرمائی تھی اور فنائیت کا سبق پڑھایا تھا اس لیے آپ تمام تر کمالات، محاسن اور خوبیوں کے باوجود شہرت نام ونمود سے سخت متنفر تھے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت سے بھی سرفراز فرما رکھا تھا لیکن آپ عام طور پر اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ تواضع، حلم، عاجزی، مسکنت، فروتنی، حسن خلق اور فنائیت آپ کا خاص شعار تھا۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ بندہ آپ کے ارشادات وملفوظات لکھنا چاہتا ہے اس کی اجازت عنایت فرمادیں، حضرت نے بڑی سختی سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ہماری باتوں کی کوئی حیثیت نہیں انہیں لکھنے اور ضبط کرنے کا کیا مطلب؟ آپ پورے طور پر ع نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں کا مصداق تھے۔

جامع شریعت اور طریقت ہونے کے باوجود آپ کا یہ حال تھا دراصل یہی لوگ صحیح معنیٰ میں اپنے اکابر واسلاف کے جانشین اور متبع سنت تھے جنہیں دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی، افسوس کہ اب ان اوصاف وکمالات اور ملکات میں کمی واقع ہوتی جارہی ہے اس لیے ان حضرات کی قدر کرنے والے بھی کم ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی قدر اور ان کے مقام کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کو مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا احقر کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق رہا اور بندہ پر بھی ان کی بہت شفقتیں وعنایتیں تھیں اس لیے اب احقر ان دونوں بزرگوں کے حوالہ سے بعض واقعات قلم بند کرے گا اور پھر اپنے ذاتی تعلق کے حوالہ سے بھی بعض واقعات سپرد قلم ہوں گے۔

حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چونکہ بچپن سے ہی اپنے والد ماجد کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوتے تھے، احقر کے والد ماجد حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی وہاں اپنے والد ماجد حضرت مفتی عبد الکریم گمتھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقیم اور

خانقاہ کے مدرسہ امدادیہ میں زیر تعلیم تھے اس لیے دونوں حضرات کا بچپن سے ہی باہم تعلق قائم ہوا جو تا حیات قائم رہا۔اسی دور کا ایک واقعہ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے یوں تحریر فرمایا ہے:

میرے محترم بھائی مولانا عبیداللہ صاحبزادہ مدت فیوضھم حضرت مفتی (محمد حسن) صاحب کے ہمراہ ہر سال ماہ رمضان المبارک تھانہ بھون کی خانقاہ میں گزارتے تھے، احقر تو کھیل کود میں ہی وقت گزارتا تھا، برادرم موصوف حسب فرصت ہمارے پاس کھیل کی ٹیم میں شرکت کر لیتے، خاص کر دوپہر کو چھٹی کے وقت حضرات اہل خانقاہ شب بھر کے ذکر اذکار سے تھکے ہوئے آرام فرماتے تھے اور ہم اپنے کھیل کود کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے، میدان خانقاہ کے سامنے اور متصل ہی تھا، جب اذان ظہر ہوتی تو اکثر حضرت مفتی صاحب خانقاہ کے دروازے پر آکر آواز دیتے: عبیداللہ، عبدالشکور، یہ آواز سنتے ہی سب کھیل ختم اور مسجد میں آجاتے۔

مجھے ایک دن (روزے کی حالت میں) پیاس لگی ہوئی تھی، حضرت مفتی صاحب کی آواز سنتے ہی مسجد کی طرف بھاگے، وہاں دروازے میں داخل ہوتے ہی کنواں ہے اور پانی بھی مٹکوں میں رکھا ہوتا تھا، جاتے ہی مٹکے سے پانی پینا شروع کر دیا، کسی نے روکا نہیں اور روکنے سے ہوتا کیا، بس پانی بھی پی لیا اور روزہ بھی رہ گیا، حضرت مفتی صاحب مسکراتے رہے، پہلے شاید یہ خیال ہوگا کہ روزہ رکھا ہوا نہیں، برادر محترم ہمارے ساتھ کھیل کے شریک تھے۔تعلیم میں وہ ہم سے فائق تھے اور اس اعزاز میں تو ان کا کوئی سہیم و شریک ہی نہیں کہ ان کی ہر کتاب کی ابتداء حضرت حکیم الامت نے کرائی، کوئی ایک آدھ طالب علم ایسا ہوگا جس نے حضرت حکیم الامت سے ایک دو کتابوں کی بسم اللہ کی ہو، ورنہ ہمارے برادر محترم ہر کتاب میں حضرت حکیم الامت کے تلمیذ ہیں ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بارک اللہ فی عمرہ وفی حیاتہ آمین ثم آمین۔

(پاک و ہند کے نامور علماء ومشائخ ص ۱۳۵)

حضرت مہتمم صاحب نے سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوکر امرتسر میں تدریس شروع فرمادی اور پھر جب پاکستان بنا تو آپ لاہور منتقل ہوئے۔ یہاں نیلا گنبد جامعہ اشرفیہ میں تدریس فرماتے رہے، پھر مسلم ٹاؤن میں تاحیات تدریسی سلسلہ کے ساتھ نصف صدی سے زائد اہتمام کی خدمات بھی سرانجام دیں، اس پورے عرصہ میں ان حضرات کا تعلق برابر قائم رہا۔ حضرت والد صاحب جب بھی لاہور تشریف لے جاتے جامعہ اشرفیہ ضرور جانا ہوتا اور مختلف امور پر گھنٹوں تبادلہ خیال رہتا اور مشاورت ہوتی، حضرت مہتمم صاحب بھی اہم ملکی معاملات میں مشورہ کے لیے حضرت والد صاحب کو جامعہ اشرفیہ تشریف لانے کی دعوت دیتے اور پھر مل کر ان معاملات پر رائے قائم کی جاتی۔

صدر ضیاء الحق مرحوم کے زمانہ میں جب شفعہ کا قانون بنا احقر کو خوب یاد ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کی سربراہی میں حضرت والد صاحب اور دیگر علماء کرام نے اس پر کئی دن تک غور کیا اور اصلاحات لکھ کر حضرت مہتمم صاحب کو دیں جو آپ نے صدر صاحب کو پہنچائیں۔

حدود آرڈیننس پر بھی اجتماعی غور وخوض کے بعد جو اصلاحات لکھی گئی تھیں وہ سارا کام بھی جامعہ اشرفیہ میں حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر ہوا تھا، ان سب امور میں وہ خود بھی شریک رہے اور مشورہ بھی دیتے رہے۔

اس طرح کی کئی مجالس اور محافل احقر کو یاد ہیں اور خوش قسمتی سے احقر بھی ان میں ایک سامع اور مستفید کی حیثیت سے حضرت والد صاحب کے ساتھ شریک رہتا تھا، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت والد ماجد کے بعد ملکی اہم معاملات پر اجتماعی غور وخوض

اور راہنمائی کا سلسلہ پھر جامعہ اشرفیہ میں دیکھنے میں نہیں آیا، حضرت مہتمم صاحب کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔

حضرت والد ماجد اور حضرت مہتمم صاحب کے درمیان وقتاً فوقتاً خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ سر دست بعض خطوط سامنے آگئے جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا سید صادق حسین شاہ صاحب مہتمم مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی کہ ہم اپنے سالانہ جلسہ میں حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بلانا چاہتے ہیں اس کے لیے اگر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کا سفارشی خط مل جائے تو ہمیں سہولت رہے گی۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت مہتمم صاحب کو تحریر فرمایا کہ آپ حضرت افغانی رحمہ اللہ کے نام سفارشی مکتوب تحریر فرمادیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت افغانی کے نام سفارشی مکتوب تحریر فرمایا اور ساتھ ہی حضرت والد ماجد کو یہ خط لکھا:

برادر محترم سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب الحکم عریضہ ارسال ہے، اللہ کرے یہ چند حروف آپ کے کام آسکیں۔ جامعہ اور اس ناچیز کو دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں، حق تعالیٰ امن اور ایمان سے رکھیں اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں، جامعہ کا سالانہ جلسہ بھی ان شاء اللہ ۱۲/۱۳/۱۴ جمادی الثانی کو ہو رہا ہے، احباب کو سلام۔

محمد عبید اللہ

ایک مرتبہ مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماع پر حضرت والد صاحب جامعہ اشرفیہ تشریف لے گئے، ان دنوں آپ مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے کافی کمزور تھے اس کے باوجود آپ نے اجتماع میں شرکت کی اور حضرت مہتمم صاحب سے بھی حسب سابق ملاقات ہوئی، وہ آپ کی کمزوری سے بہت فکرمند ہوئے اور صحت کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں

بلکہ احقر کو یاد ہے کہ اسی دوران ایک دن مغرب کے بعد وہ حضرت والدصاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور بڑی خصوصیت سے تیمارداری کی ،حضرت والدصاحب جب اجتماع سے واپس ساہیوال تشریف لائے تو حضرت مہتمم صاحب نے درج ذیل مکتوب گرامی تحریر فرما کر آپ کی خیریت دریافت فرمائی، اس مکتوب میں جہاں آپ کی خیریت دریافت کی وہیں اپنے خاص تعلقات اور بچپن وپچپن اور اس کے بعد تک کی رفاقت اور اپنے بارہ میں ذاتی تأثرات کا بھی ذکر فرمایا اور ساتھ ہی اس قدیم اور طویل تعلقات کے حوالہ سے ممکنہ کوتاہی پر معافی کے لیے بھی لکھا، مکتوب گرامی کی عبارت بلفظہ یہ ہے:

اخی المحترم زیدمحاسنکم سلام مسنون ودعائے مقرونہ

صیانۃ المسلمین کے جلسے میں آں محترم کی ملاقات اور زیارت ہوئی تھی ضعف کو دیکھ کر بہت اثر تھا، دریافت خیریت اور دعا حسن خاتمہ کے لیے عریضہ ارسال خدمت ہے، اپنی حالت پر افسوس اور ندامت ہے جب کچھ کرسکتا تھا کر نہ سکا اب کرنا چاہتا ہوں تو کر نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں سرتا پا خطاؤں اور کوتاہیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ آں محترم کے ساتھ بچپنا اور پچپنا گزارا ہے ممکن ہے اس ناکارہ سے کوئی حق تلفی ہوئی ہو اللہ معاف فرمادیں اور اپنی دعاؤں میں اس ہمہ جہتی ناکارہ کو یاد رکھیں، اہل خانہ اور صاحبزادگان کو دعا اور سلام۔

محمد عبیداللہ

۴رشعبان ۱۴۱۸ھ

حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا کہ جامعہ اشرفیہ میں تخصص فی الفقہ کے اجراء کا عزم ہے، اس کا نصاب کیا ہو اس کی راہنمائی فرمائیں اور اس کی سرپرستی بھی فرمائیں اس کے جواب میں حضرت والد ماجد نے جو مکتوب حضرت مہتمم صاحب کو تحریر فرمایا تھا وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

برادرِ مکرم ومحترم، زاد فضلکم وعنایتکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل آپ کا مرسلہ عنایت نامہ باصرہ نواز ہوا۔ اس توجہ فرمائی اور عزت افزائی کا ممنون ہوں۔ آپ تو خود کو صفر کہتے ہیں، جو بہت کار آمد ہے، اور بڑے بڑے عدد اس سے بن سکتے ہیں۔ احقر تو عدم ہی ہے۔

جامعہ اشرفیہ میں تخصص فی الفقہ کے اجراء کا عزم مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں، اور موافق اسباب مہیا فرما کر موانعات کو دور فرمائیں۔ آمین۔

شرح عقود رسم المفتی، مقدمۃ الدر المختار، الأشباہ والنظائر وغیرہ درساً، اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا امداد الفتاوی بامعان نظر مطالعہ کرنا، نیز اس کے حوالوں کو کتب محولہ سے مراجعت کر کے سمجھنا ضروری ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد آمدہ سوالات کے جوابات بطور تمرین لکھوانا اصل کام ہے۔ ان میں بنظر غور ملاحظہ کے بعد اصلاحات بھی ضروری ہیں۔ ان سب کو رجسٹر میں جمع کرنا تاکہ نظر ثانی ہو سکے، مفید اور کار آمد ہے۔ اپنی نا اہلیت کے باوجود امتثالاً للأمر گاہ بگاہ اس کار اشرفی سے مستفید ہونے کا شرف بھی ان شاء اللہ حاصل کرنے کا احقر نے عزم کر لیا ہے واللہ الموفق۔

یہاں پر کوئی ایسا کام ہی نہیں جو احباب کو تکلیف دی جائے۔ اگر قدم رنجہ فرمائیں تو کرم بالائے کرم ہوگا، اب تو سڑک کی بہتری کی خبریں آ رہی ہیں، سفر شاید آسان ہو۔ تین سال ہوئے دل کا دورہ ہوا تھا۔ اس کے بعد سے کام تو نہ ہونے کے برابر ہو گیا، اور سفر سڑک کا بہت مضر ہوتا ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔ برخورداران کی خدمت میں سلام ودعا پہنچے۔ اگر برخوردار مولوی عبید ارشد سلمہ ہمت کریں تو آپ کا سفر امید ہے آسان ہو جائے۔ وہ یہاں پہلے آئے بھی ہیں۔ والسلام   سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۱۵؍ شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ

حضرت والد ماجد سے خصوصی تعلق کی بنا پر احقر نا کارہ پر آپ کی خاص عنایت اور شفقت رہی، جہاں تک احقر کو یاد ہے پہلی مرتبہ آپ کی زیارت اس موقع پر ہوئی جب ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ میں حضرت والد ماجد کے ساتھ لاہور کا احقر نے پہلی مرتبہ سفر کیا۔ حضرت مہتمم صاحب کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی، آپ نے بھی بڑی شفقت فرمائی اس کے بعد کئی مرتبہ زیارت ہوئی، پھر جب ۱۴۰۱ھ شوال المکرّم میں احقر کا داخلہ جامعہ اشرفیہ میں ہوا، احقر کو آپ کی خدمت میں حاضری اور زیارت کا خوب موقع ملا، احقر کا داخلہ درجہ سادسہ میں ہوا تھا لیکن حضرت والد صاحب کا فرمان تھا کہ اگر مہتمم صاحب کی اجازت سے مشکوٰۃ شریف بھی اسی سال پڑھ لی جائے تو آئندہ سال دورۂ حدیث شریف آسانی سے ہو جائے گا۔ احقر نے اس سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب سے اجازت کے لیے عرض کیا تو فرمانے لگے کہ تمہیں مشکوٰۃ شریف کون پڑھائے گا اور کیسے پڑھو گے مدرسہ میں تو اس کا پڑھنا تعارض اسباق کی وجہ سے ممکن نہیں ہوگا، احقر نے عرض کیا کہ حضرت مولانا ممتاز احمد تھانوی صاحب خارجی وقت میں پڑھا دیں گے، فرمایا کہ اگر وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں تو اجازت ہے، چنانچہ احقر نے جب ان سے بات کی تو وہ تیار ہو گئے، اس طرح مشکوٰۃ شریف اول ان سے اور ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہم سے احقر اور برادرم مولانا عبدالخالق صاحب نے خارجی وقت میں پڑھی، پھر جب سالانہ امتحان کا موقع آیا تو حضرت مہتمم صاحب کی اجازت سے جامعہ کے سالانہ امتحان میں شرکت کی اور مشکوٰۃ شریف کا امتحان دے کر اعلیٰ نمبروں میں کامیابی مل گئی اس طرح آئندہ سال دورۂ حدیث شریف میں ہم باقاعدہ شامل ہو گئے اور حضرت مہتمم صاحب سے ہمیں بھی طحاوی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

احقر نے دو سال جامعہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی، پہلے سال حضرت مہتمم صاحب کے پاس کوئی سبق نہیں تھا لیکن حضرت والد صاحب کی ہدایات کے مطابق احقر گاہے گاہے حضرت سے ملتا اور دعا کے لیے عرض کرتا، حضرت بہت خوش ہو کر دعا فرماتے اور دل لگا کر

پڑھنے اور محنت کی ترغیب دیتے۔ خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ چونکہ حضرت مہتمم صاحب ہی پڑھاتے تھے اس لیے ہم بھی اکثر انہی کی اقتداء میں جمعہ ادا کرتے اور آپ کی دلکش مترنم آواز میں خطبہ اور تلاوت سننے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

دوسرے سال باقاعدہ حدیث شریف کی کتاب ''معانی الآثار طحاوی شریف'' کا سبق حضرت سے متعلق تھا، ۲۶ رشوال المکرّم ۱۴۰۲ھ سے دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب نے طحاوی شریف کے سبق سے اس کا آغاز فرمایا۔ ''معانی الآثار'' کی عبارت پڑھنے کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی بعد میں بھی کئی مرتبہ احقر نے عبارت پڑھی۔ حضرت عبارت کی تصحیح کا خاص خیال فرماتے اور عبارت غلط پڑھنے والے طالب علم کو تنبیہ فرماتے اور بعض اوقات خوب ڈانٹتے تھے، عبارت پڑھنے کے بعد حضرت ایسے دلنشیں اور بہترین انداز سے عبارت کی تشریح اور ترجمہ فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی عبارت کا مطلب سمجھ جاتا تھا اور وہ سبق بلا تکلف اس کو وہیں یاد ہو جاتا تھا دہرانے کی حاجت نہیں رہتی تھی حضرت کا انداز بہت ہی سادہ اور عام فہم ہوتا تھا۔ طلبہ آپ کے انداز بیان کے بڑے گرویدہ تھے، بعد میں اسی انداز میں تکرار پر اصرار کرتے، احقر بھی بڑے مزے لے کر اس انداز میں انہیں تکرار کراتا، محفل میں ایک عجیب سما بندھ جاتا، رفقاء بہت محظوظ ہوتے تھے۔ سبق کے بعد حضرت وقتاً فوقتاً استفسار فرماتے کہ بھائی سبق سمجھ آ رہا ہے یا نہیں؟ ہم تعریف کرتے تو حضرت طرح دے جاتے کبھی فرماتے کہ بھائی یہ آپ کا حسن ظن ہے میری تو کوئی حیثیت نہیں حالانکہ یہ آپ کی غایت تواضع تھی ورنہ حق تعالیٰ نے آپ کو تفہیم کا ملکہ خوب درخوب عطا فرمایا تھا۔

''طحاوی شریف'' کی تدریس کا سلسلہ جاری تھا کہ آپ نے مقام درس تک ''طحاوی شریف'' پڑھا کر بند کر دی، حضرت والد صاحب کا خیال تھا کہ حضرت مہتمم صاحب اگر ابو مؤطین کے کچھ اسباق بھی پڑھا دیں تو بہت مفید ہوگا مگر اس کا موقع نہیں

ملا لیکن حق تعالیٰ نے ہمیں اس سال آپ سے استفادہ اور تلمذ کی سعادت عطا فرمادی جو کسی نعمت سے کم نہیں، وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم۔

بہرحال اس طرح سارا سال حضرت کی شفقت وعنایت کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ سال مکمل ہوا اور ہم دورۂ حدیث شریف کا امتحان دے کر جامعہ سے رخصت ہوئے۔

حضرت والد ماجد کی حیات میں احقر اٹھارہ سال تک جامعہ حقانیہ میں درس وتدریس، افتاء وتبلیغ اور تالیف کے کام میں مصروف رہا اس دوران جب بھی جامعہ اشرفیہ جانا ہوتا حضرت مہتمم صاحب احقر کے حالات معلوم فرما کر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے، اپنے ذوق کے اشعار اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ، حضرت اقدس والد ماجد مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے واقعات عجیبہ غریبہ سناتے، بعض اوقات نم دیدہ ہوتے اور ہمیں بھی رلاتے۔

حضرت والد صاحب کا انتقال ۶ رشوال المکرّم ۱۴۲۱ھ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو ہوا، جنازہ میں جامعہ اشرفیہ سے بہت سے حضرات نے شرکت کی، حضرت مہتمم صاحب کی نیابت میں برادر معظم حضرت مولانا قاری ارشد عبید مدظلہ شریک جنازہ ہوئے۔ احقر حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد جب لاہور حاضر ہوا تو حضرت نے احقر کو بلایا تعزیت کی اور گھریلو اور جامعہ کے معاملات میں ہدایات سے بھی نوازا اور ساتھ ہی احقر کو فرمایا کہ ''مفتی صاحب اگرچہ انتقال فرما گئے ہیں لیکن میں زندہ ہوں، اس لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جس چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف مجھے بتائیں میں ہر طرح سے خدمت کے لیے حاضر ہوں'' غرضیکہ احقر کو اتنی تسلی دی کہ احقر کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

پھر حضرت نے اپنی اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھا، احقر نے جب کبھی کسی سلسلہ میں راہنمائی اور مشورہ طلب کیا تو حضرت نے پوری پوری سرپرستی فرمائی، جزاه الله تعالىٰ خير الجزاء واعلى الله درجاته فى اعلىٰ عليين۔

احقر نے حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے حالات اور خدمات پر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا، ساتھ ہی خیال آیا کہ ان کے معاصرین علماء کرام سے بھی ان کے متعلق تاثرات حاصل کر لیے جائیں، اس مقصد کے لیے احقر نے بہت سے علماء عصر کو ایک عریضہ ارسال کیا، اکثر حضرات نے مضامین ارسال فرمائے جو ایک معتد بہ مقدار میں جمع ہو گئے، حالات وخدمات اوران تاثرات کے مجموعہ کا نام احقر نے ''حیات ترمذی'' رکھا جو کہ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ۱۴۲۴ھ میں شائع ہوا، اور اب اس وقت تقریباً نایاب ہے، احقر نے اس بارہ میں جب حضرت مہتمم صاحب کو عریضہ ارسال کیا تو آپ نے اس کے جواب میں درج ذیل تحریر ارسال فرمائی:

ہمہ جہتی نااہلی کی وجہ سے تقریر تحریر گفتگو کا نہ سلیقہ ہے نہ استطاعت اور نہ ہمت۔ مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے بارہ میں وہی احباب اصحاب کچھ کہہ سکیں گے یا لکھ سکیں گے جنہوں نے ان کو پہچانا ہے، مجھے اس بارہ میں بھی اپنی نااہلی کا اعتراف ہے میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ میرا ان سے تعلق آٹھ نو سال کی عمر سے شروع ہوا، بچپن جوانی اور پچپن اور آخر تک رہا، اس طویل عرصہ میں ان کی ذات کا کوئی گوشہ علمی یا عملی، مجلسی ہو یا انفرادی ایسا نہیں ملتا جہاں انگلی یا نگشت رکھی جا سکے، حق تعالیٰ مغفرت فرمائے ہر لحاظ سے کامل مکمل انسان، کامل ترین عالم اور مخلص ترین مہربان تھے۔

(حیات ترمذی ص ۱۰۶)

حضرت کی یہ تحریر بقامت کہتر بقیمت بہتر اور دریا بکوزہ کی مصداق اور ایک وزنی شہادت ہے، جو المعاصرۃ اصل المنافرۃ کے عیب سے پاک ہے۔

احقر نے ایک عریضہ میں دعا کے لیے عرض کیا تو جواب میں حضرت نے ایسے جملے تحریر فرمائے جس کو پڑھ کر آج بھی احقر اپنے دل میں سکون محسوس کرتا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

عزیز از جان عبدالقدوس سلمہ سلام مسنون دعائے مقرونہ

محبت نامہ موصول ہوا، آپ سے اور تمام اہل خانہ سے ایسا گہرا تعلق ہے جن کے لیے بن مانگے دل سے دعا نکلتی رہتی ہے۔حق تعالیٰ آپ کو اور تمام متعلقین کو اپنی حفاظت میں رکھے، آمین۔ جامعہ حقانیہ کی ترقی اور حفاظت کے لیے دعا گو ہوں آپ کی مساعی کو حق تعالیٰ قبول فرماویں، حاسدین کے شر سے حفاظت فرمائے۔ میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو بلا تکلف کہہ دیا کریں، میرے لیے دعائے حسن خاتمہ ضرور کرتے رہیں، جملہ متعلقین اور اہل خانہ کو سلام و دعا۔ محمد عبید اللہ

۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

۱۴۲۲ھ میں حق تعالیٰ کا خاص فضل ہوا کہ احقر کو حرمین شریفین کے سفر اور حج کی سعادت نصیب ہوئی، چالیس دن دیار مقدس میں قیام اور اپنی بساط کے مطابق نااہلی کے باوجود وہاں کی برکات سمیٹنے کا موقع ملا دعاؤں میں جہاں اور بہت سے بزرگوں کو یاد رکھا، حضرت مہتمم صاحب کو بھی دعا میں برابر شامل کرتا رہا، ظاہر ہے کہ یہ احقر پر فرض اور حضرت کا حق تھا، واپسی پر ایک عریضہ میں احقر نے حضرت کو اس کی اطلاع کی تو اس پر جواب میں یہ مکتوب گرامی تحریر فرمایا:

عزیز از جان سلمکم الرحمٰن سلام مسنونہ دعائے مقرونہ

محبت نامہ موصول ہوا، حرمین شریفین اور حج کی سعادت ملنے سے خوشی ہوئی، حق تعالیٰ قبول فرماویں۔اس ناکارہ کو آپ نے مقامات مقدسہ میں یاد رکھا، دل خوش ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں۔محترمہ والدہ صاحبہ کی علالت سے پریشانی ہوئی، حق تعالیٰ ان کو جو سراپائے برکت ہی برکت اور نعمت عظمیٰ ہیں صحت اور عافیت کے ساتھ آپ کے سروں پر سلامت رکھے۔

ریفرنڈم کے بارہ میں: ماالمسئول عنہا باعلم من السائل۔سب کو سلام

عبید اللہ

اس زمانہ میں ریفرنڈم کا سلسلہ چل رہا تھا اس لیے ریفرنڈم کے بارہ میں احقر نے سوال کیا کہ اس بارہ میں جناب کی کیا رائے ہے اس پر حضرت نے مـا الـمسئـول عـنـهـا باعلم من السائل تحریر فرمایا تھا۔

احقر کا عرصہ دراز سے خیال تھا کہ اپنے حضرات کے مضامین کی اشاعت کے لیے جامعہ حقانیہ کی طرف سے ایک مستقل رسالہ ہر ماہ شائع ہونا چاہئے تا کہ اس میں وقتاً فوقتاً ضرورت کے مضامین شائع ہوتے رہیں، حضرت والد صاحب نے بھی بار ہا اس کی ضرورت کا اظہار فرمایا تھا لیکن ان کی زندگی میں عملی طور پر اس کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، ان کی وفات کے بعد احقر نے ۱۴۲۶ھ محرم الحرام میں پہلا شمارہ ''الحقانیہ'' کے نام سے شائع کیا، اپنے بزرگوں کی سرپرستی بھی ضروری تھی اس لیے احقر نے اپنے چند بزرگوں کا نام رسالہ کی سرپرستی میں لکھا ان میں حضرت مہتمم صاحب کا نام سرفہرست تھا، رسالہ پر نام لکھنے کے لیے احقر نے منظوری کا خط حضرت کو لکھا تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

عزیز از جان عبدالقدوس سلمہ   سلام مسنونہ دعائے مقرونہ

خط ملا، رسالہ کے اجراء سے پہلے اگر مشورہ ہو جاتا تو زیادہ مناسب تھا، بہر حال اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے اور خدمت دین کا ذریعہ بنائے، اور راستے کی مشکلات آسان فرمائے، آمین۔ جہاں تک سرپرستی کا معاملہ ہے اس کے لیے امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ کا شعر حاضر ہے ؎

در مجلس خود راہ مدہ ہمچو منے را   افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

عبید اللہ

۸/جنوری ۲۰۰۵ء

اگست ۲۰۰۲ء میں پورے ملک میں الیکشن وانتخابات کا ہنگامہ بپا تھا، ہر طرف سے یہی شور سنائی دے رہا تھا، ہر چھوٹی بڑی جماعت الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی، اگر چہ اس وقت ملک میں دو جماعتیں بڑی تھیں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی لیکن دوسری

طرف متحدہ مجلس عمل کے نام سے کئی جماعتوں کا ایک مجموعہ اسلام کے نام پر ان کے مقابلہ میں تھا، اس سے بہت سے پڑھے لکھے دیندار اور اہل علم متاثر تھے، احقر کا طبعی رجحان مسلم لیگ کی طرف تھا لیکن اس پر کئی حضرات معترض تھے اس لیے احقر نے مناسب سمجھا کہ حضرت مہتمم صاحب سے استشارہ کرلیا جائے، اس سے قبل جب ریفرنڈم کی بات چلی تو اس وقت بھی احقر نے حضرت سے مشورہ لیا تھا مگر حضرت نے جواب میں ماالمسئول عنھا باعلم من السائل تحریر فرما دیا تھا لیکن اس مرتبہ احقر نے اس جواب کی بجائے حضرت مہتمم صاحب سے اپنی رائے کے اظہار پر اصرار کیا، چنانچہ احقر کا عریضہ یہ تھا:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بخدمت گرامی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی خدا کرے کہ بخیر ہوں، آمین۔

گزارش آنکہ اس وقت پورا ملک انتخابی ہنگاموں کی زد میں ہے اور سیاسی جماعتیں بھی باہم برسرپیکار ہیں۔ متحدہ مجلس عمل کے نام سے کئی جماعتوں کا اتحاد بھی معرض وجود میں آچکا ہے جسے عام طور پر دینی اور علماء کا اتحاد قرار دیا جا رہا ہے جبکہ اس میں جماعت اسلامی اور اہل تشیع بھی شامل ہیں اور ان کے منشور کی بعض شقیں مجمل ہونے کی وجہ سے سوشلسٹوں کے نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔

آنجناب سے استدعا ہے کہ اپنی رائے گرامی سے مطلع فرماویں کہ متحدہ مجلس عمل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ امید ہے کہ ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔ آنجناب چونکہ بحمداللہ تمام حالات سے پورے طور پر باخبر اور دانا بینا صاحب بصیرت ہیں اس لیے ماالمسئول عنھا الخ سے جواب احقر کے لیے غیر مفید ہوگا۔ پورے طور پر راہنمائی کی درخواست ہے باقی سب خیریت ہے، دعاؤں کی ہر حال میں ضرورت ہے۔ فقط والسلام

15-8-2002

اس کے جواب میں حضرت نے یہ تحریر فرمایا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مالمسئول والا جواب آپ کو منظور نہیں اگرچہ صحیح جواب وہی ہے۔

تاہم یہ سارا نظام ہی محل نظر ہے، کہاں کہاں پیوند لگائیں گے، یہ الیکشن، یہ اتحاد یہ اجتماع ضدین بلکہ نقیضین سبھی کچھ غیر شرعی غیر منطقی ہے۔؏ اگر خواہی سلامت بر کنار ست

محمد عبیداللہ

۱۳/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

کتاب ''المہند علی المفند'' جو حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کی تصنیف لطیف ہے اس کا خلاصہ حضرت والد صاحب نے ''عقائد اہل سنت المعروف بہ عقائد علماء دیوبند'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا، جس پر اس دور کے تمام اکابر علماء کرام کی تصدیقات بھی حاصل کی گئی تھیں اور عقائد علماء دیوبند کے نام سے اسے سب سے پہلے مجلس تحفظ ختم نبوت نے شائع کیا تھا، عرصہ دراز تک یہ رسالہ الگ اور پھر ''المہند'' کے آخر میں شائع ہوتا رہا، بلکہ اب بھی شائع ہو رہا ہے۔ احقر نے اس کی تلخیص کر کے اس پر موجودہ دور کے علماء کرام سے دستخط لے کر اسے اشتہار اور پمفلٹ کی صورت میں الگ شائع کیا۔ حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں بھی احقر نے یہ تلخیص برائے تقریظ ارسال کی، حضرت نے از راہ شفقت اس پر تصدیق فرمائی اس کے بعد سے حضرت کا اسم گرامی بھی اس میں شائع ہو رہا ہے۔

احقر کو معلوم تھا کہ حضرت مہتمم صاحب کی حدیث کی سند بڑی عالی ہے کیونکہ آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے براہ راست اجازت ہے اور حضرت تھانوی کی عالی سند وہ ہے جس میں انہیں براہ راست حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ سے اجازت حاصل ہے اور وہ براہ راست حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ بندہ ناچیز نے حضرت مہتمم صاحب کو اجازت حدیث کے لیے تحریر کیا حضرت نے

اس کے جواب میں بندہ کو بھی اجازت مرحمت فرمائی، یہ واقعہ جامعہ اشرفیہ کے ساٹھ سالہ اجتماع سے پہلے کا ہے۔

حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات ''خیر السوانح'' طبع ہوئی، ایک دن احقر اس کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں یہ واقعہ نظر سے گزرا کہ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے تجدید بیعت کی اور اس بیعت میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بھی شامل تھے، احقر نے یہ واقعہ پڑھ کر حضرت مہتمم صاحب کو لکھا کہ ان حضرات نے تو تجدید بیعت کی تھی آپ کی پہلی بیعت تھی یا آپ نے بھی تجدید فرمائی تھی؟ اس پر حضرت نے احقر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ میری ابتدائی بیعت تھی، حضرت حکیم الامت نے بیعت کے بعد مجھے فرمایا کہ: عبیداللہ مولوی محمد حسن پہلے تمہارے ابا تھے اب پیر بھائی بھی بن گئے۔

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب جامعہ خیر المدارس ملتان کی سالانہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لے آئے اور ان کی صدارت میں اجلاس ہوا، اس میں دیگر علماء کرام کے علاوہ حضرت مفتی غلام قادر صاحب خیر پور ٹامیوالی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شریک تھے، احقر بھی حاضر تھا، اجلاس کے بعد احقر نے حضرت مہتمم صاحب سے سوال کیا کہ حضرت آپ نے بخاری شریف حضرت حکیم الامت تھانوی سے کس طرح شروع کی تھی اس کا واقعہ بیان فرمادیں؟ حضرت مسکرائے اور حضرت مفتی غلام قادر صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ اس وقت یہ بھی موجود تھے، انہوں نے تصدیق فرمائی اس پر حضرت مہتمم صاحب نے واقعہ سنایا کہ حضرت والد ماجد مفتی محمد حسن صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم، مولانا غلام قادر صاحب اور احقر ہم سب خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر تھے، احقر نے حضرت والد صاحب کے فرمانے پر بخاری

شریف کے افتتاح کے لیے حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں درخواست لکھی، میری درخواست پر مولانا محمد شریف صاحب اور مولانا غلام قادر صاحب نے بھی دستخط کردیے، حضرت اقدس نے درخواست پڑھ کر وقت عنایت فرمادیا، چنانچہ مقررہ وقت پر ہم حاضر ہوئے جب میں ''بخاری شریف'' لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا میرے ساتھ مولانا محمد شریف بھی آگے بڑھے حضرت نے انہیں منع فرمادیا اور صرف مجھے بخاری شریف شروع کرائی۔

حضرت مہتمم صاحب نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ یہ میری خصوصیت تھی کہ حضرت تھانوی نے تنہا مجھے ''بخاری شریف'' شروع کرائی اور یہ بھی میری خصوصیت ہے کہ ''میزان الصرف'' سے لے کر ''بخاری'' تک ہر کتاب کا ابتدائی سبق حضرت حکیم الامت تھانوی سے میں نے پڑھا ہے، اس پر پھر اپنی خصوصیت کا ایک اور واقعہ بھی اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ:

ایک مرتبہ میں خانقاہ تھانہ بھون میں والد ماجد کے ساتھ حاضر تھا، میں نے غلطی سے مسجد کے جوتے بیت الخلاء میں استعمال کر لیے، حضرت کو پتہ چل گیا کہ مسجد کے جوتے بیت الخلاء میں استعمال ہوئے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ حضرت کو جب پتہ چلا کہ یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے تو انہوں نے تین طمانچے میری گردن پر لگائے اور فرمایا کہ جو آتا ہے وہ نواب بن کر آتا ہے، حضرت اس کے بعد سہ دری میں تشریف لے گئے اور میں رو رہا تھا، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ منظر دیکھ لیا تھا وہ دوڑ کر آئے اور مجھے تین بوسے دئے کہ تم بڑے خوش قسمت ہو کہ حضرت نے تمہیں تین طمانچے لگائے ہیں ہمیں تو ایک طمانچہ بھی نصیب نہ ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور بہت بے قرار ہو گئے اور فرمانے لگے کہ اب حضرت مجھے بھی خانقاہ سے نکلنے کا حکم دیں گے کہ تم نے بچے کی تربیت کیوں نہیں کی، انہیں اس کی فکر لگ گئی اور بے چینی بڑھ گئی،

ادھر حضرت حکیم الامت کی طرف سے والد صاحب کو پیغام ملا کہ عبیداللہ کو میرے پاس بھیج دو، اس سے والد صاحب کو مزید تشویش ہوئی فرماتے تھے کہ میں بھی بہت پریشان ہوا اور ڈرنے لگا کہ اب مزید مار پڑے گی اسی خوف کے ساتھ حضرت کے ہاں پہنچا تو حضرت نے غایت شفقت سے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ اور پھر مجھے مٹھائی کا چورہ دے کر فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے ابا کو بھی دو، میں وہاں سے بڑی خوشی کے ساتھ والد صاحب کے حجرہ میں آیا مجھے خوش دیکھ کر ان کی پریشانی کم ہوئی، فرمانے لگے کہ کیا ہوا؟ میں نے پوری بات عرض کی تو بے حد خوشی سے فرمایا کہ حضرت نے کیا لفظ فرمائے تھے؟ میں نے جب حضرت کا جملہ دہرایا تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور بار بار مجھ سے یہ جملہ سنتے رہے کہ اپنے ابا کو بھی دینا۔

حضرت مہتمم صاحب نے جب یہ واقعہ سنایا تو سب حضرات پر ایک عجیب اثر ہوا۔

حضرت مہتمم صاحب نے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنایا کہ والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ عبیداللہ اپنی والدہ کو تنگ کرتا رہتا ہے اور پڑھنے میں دل نہیں لگاتا بھاگتا بہت ہے، حضرت نے اس پر فرمایا کہ عبیداللہ بھاگتے بھاگتے ہی عالم بن جائے گا، اس پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اب اس کے عالم بننے میں کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ حضرت تھانوی نے فرمادیا کہ یہ عالم بن جائے گا، فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں زیادہ بیمار ہوا اور والدہ صاحبہ کو میری طرف سے مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ان کو تسلی دے کر فرمایا کہ عبیداللہ ابھی عالم نہیں بنا تم پریشان نہ ہو یہ ابھی نہیں مرتا کیونکہ حضرت تھانوی نے فرمادیا ہے کہ یہ عالم بنے گا، مجھے اس کے عالم بننے کا یقین ہے اس لیے مایوسی کی کوئی بات نہیں۔

حضرت مہتمم صاحب چونکہ نو سال کی عمر میں قرآن کریم کے حافظ ہو گئے تھے اور ماشاء اللہ حفظ بہت پختہ تھا، جب تراویح میں سنایا تو پورے قرآن میں کہیں بھی غلطی نہیں آئی

لیکن ختم والے دن قل ھو اللہ میں غلطی آ گئی اس پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب بہت خوش ہوئے فرمانے لگے کہ بھائی میں اس سے بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے عجب کا علاج کر دیا یہ حضرت مفتی صاحب نے بطور اصلاح کے فرمایا تھا۔

حضرت مہتمم صاحب نے چونکہ میزان سے لے کر بخاری شریف تک ہر کتاب کا افتتاح حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس لیے جب برخورداران عبدالناصر و عبدالملک سلمہما دورۂ حدیث تک پہنچے تو احقر نے ان سے کہا کہ تم بھی بخاری شریف کا افتتاح حضرت مہتمم صاحب سے کرا لو، چنانچہ احقر نے برادرم جناب مولانا قاری ارشد عبید مدظلہم کو فون پر عرض کیا کہ آپ حضرت سے وقت لے دیں میں ان دونوں کو بھیج رہا ہوں، یہ دونوں حضرت کی خدمت میں پہنچے، تعارف پر حضرت نے عبدالملک سلمہ سے فرمایا کہ تیرے ابا نے دورہ جامعہ اشرفیہ میں کیا تھا اور تم دار العلوم میں کر رہے ہو، پھر از راہ عنایت بخاری شریف کی عبارت سن کر اجازت مرحمت فرمائی اور دونوں کو سند حدیث سے بھی سرفراز فرمایا۔ یہ ۱۴۳۰ھ شوال المکرّم کا واقعہ ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی سے افتتاح کے واقعہ کو اس وقت پورے ستر سال گزر چکے تھے، کیونکہ حضرت مہتمم صاحب کا دورۂ حدیث شریف ۱۳۶۰ھ کا ہے۔

احقر کی جب بھی جامعہ اشرفیہ لاہور حاضری ہوتی تو کوشش کر کے اکثر حضرت سے ملاقات کرتا، حضرت شفقت فرماتے اور بہت سے واقعات اپنے بزرگوں کے سناتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہما دونوں حضرات ملنے کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، احقر ناکارہ بھی وہاں حاضر تھا، حضرت نے انہیں خوب واقعات سنائے اور نہال کر دیا، اس پر دونوں حضرات نے غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی اس خواہش کا بھی ذکر فرمایا کہ ان واقعات کو قلم بند کرنا چاہئے یہ نادر چیزیں ہیں، چنانچہ احقر نے ایک مرتبہ حضرت سے عرض

کیا تھا کہ آپ اجازت دیں احقر مجلس میں حاضر ہوکر ان واقعات کو لکھ کر قلم بند کرنا چاہتا ہے، چونکہ حضرت پر فنائیت اور تواضع کا غلبہ تھا اس لیے اجازت نہیں دی۔

مجلّہ ''الحقانیہ'' حضرت کی خدمت میں برابر پہنچتا تھا ایک دن احقر سے فرمانے لگے کہ رسالہ ملتا ہے اور تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ کہاں کہاں سفر کیا ہے تم لاہور آتے ہو اور ملے بغیر چلے جاتے ہو یہ صحیح نہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ اب کوتاہی نہیں ہوگی، بہت خوش ہوئے۔ پھر احقر جامعہ اشرفیہ اور دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک میں جب بھی حاضر ہوتا تو ضرور ملاقات ہوتی، حضرت اپنے مشوروں اور ہدایات سے نوازتے اور محفل میں موقع کی مناسبت سے خوب اشعار بھی سناتے اور واقعات بھی جس سے محفل کا رنگ ہی بدل جاتا اور اکابر کی یاد تازہ ہوجاتی۔

بلاشبہ حضرت کا وجود ہمارے لیے بڑا ہی غنیمت تھا، لیکن افسوس ہم صحیح طور پر قدر نہ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی طویل عمر عطا فرمائی اور صحت بھی بخشی آخر میں چند دن بیمار رہے اور بالآخر وقت موعود آپہنچا، ان للہ ماا خذولہ ماا عطیٰ وکل عندہ باجل مسمٰی۔ حضرت نے اپنے پیچھے صالح اور عالم اولاد اور ہزاروں تلامذہ اور بین الاقوامی ادارہ جامعہ اشرفیہ چھوڑا ہے جو بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں، آمین۔

آپ کے بعد جامعہ اشرفیہ کا مہتمم بجا طور پر مخدوم ومکرم حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب مدظلہم اور نائب مہتمم حضرت مولانا قاری ارشد عبید دامت برکاتہم کو بنایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی نصرت فرمائیں اور ادارہ کے فیض کو قیامت تک جاری رکھیں، آمین۔ فقط

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يدنى المومن فيضع عليه كنفه ويستره فيقول أتعرف ذنب كذاأتعرف ذنب كذا فيقول نعم اى رب! حتىٰ قرره بذنوبه ورأى فى نفسه انه قدهلك قال سترتها لك فى الدنياوانااغفرهالك اليوم فيعطىٰ كتاب حسناته واماالكفاروالمنافقون فينادىٰ بهم على رؤس الخلائق هٰؤلاء الذين كذبوعلى ربهم الالعنة الله على الظٰلمين۔

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا، اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا، اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کرلے گا، پھر اس سے پوچھے گا کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ (یعنی کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے یہ یہ گناہ کئے تھے؟) وہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار مجھے یاد ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا، اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہوگا کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں، تو اب میں کیسے چھٹکارا پاسکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معافی دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالہ کردیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کردیں گے) لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کے متعلق

برسرعام پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین ومذہب بنایا) خبردار! اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔ (بخاری، مسلم)

عـن عـائشة انهـاذكـرت الـنارفبكت فقال رسول الله صلى الله عليه وسـلـم مايبكيك قالت ذكرت النارفبكيت فهل تذكرون اهليكم يوم القيامة؟ فـقـال رسـول الـلـه صـلى الله عليه وسلم امافى ثلٰثة مواطن فلايذكراحداحداً عـنـدالـميـزان حتـىٰ يـعلم ايخف ميزانه ام يثقل وعندالكتاب حين يقال هاؤم اقـرؤاكتـابيـه حتـىٰ يـعـلم اين يقع كتابه فى يمينه ام فى شماله من وراء ظهره وعندالصراط اذاوضع بين ظهرى جهنم۔

ترجمہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا، اور وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آئی، اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا)۔

ایک وزن اعمال کے وقت، جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری۔

اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مومن داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا کہ پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ، آیا داہنے ہاتھ میں یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں۔

اور تیسرے پل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)۔(ابوداود)

تشریح

رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی، اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا۔ایک وزن اعمال کا وقت، جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا۔اور دوسرا وہ وقت، جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے، اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا کہ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے یا لعنت اور عذاب کا، اور تیسرے اس وقت جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا۔

تو یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا، اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے، اور کوئی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

(معارف الحدیث)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

فرمایا صوفیاء میں انتظام عام کی شان نہیں ہوتی اس واسطے بہت سے اعمال کو حد جواز تک کر گزرتے ہیں اور فقہاء میں چونکہ انتظام کی شان ہے اس واسطے بہت سے مباحات اور مندوبات کو جن سے عوام کے مفاسد میں پڑ جانے کا خطرہ ہو منع کر دیتے ہیں اور اسی واسطے فقہاء نے سماع کو علی الاطلاق منع کیا ہے کہ اس کا فساد غالب ہے اور محدثین آلات کو منع کہتے ہیں اور صوفیہ میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو خاص شرائط کے ساتھ مطلقاً جائز کہتے ہیں اور بعضے محدثین کے موافق فرماتے ہیں۔

فرمایا مشائخ جو زیادہ تر ذکر بتلاتے ہیں تلاوت زیادہ کرنے کو نہیں بتلاتے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ابتدا میں زیادہ مقصود صرف یکسوئی پیدا کرنا ہے اور تلاوت سے خاص شان کی یکسوئی پیدا نہیں ہوتی، لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تلاوت باوجودیکہ افضل ہے مگر صوفیہ اس کی تعلیم نہیں کرتے مگر یہ اعتراض بالکل بے موقع ہے کیونکہ ذکر کی تلقین تلاوت ہی کا مقدمہ ہے اس لئے کہ اس سے یکسوئی ہو کر تلاوت کامل ہونے لگتی ہے باقی زیادہ تر مقصود تلاوت ہی ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ وضو یا دیگر شرائط صلوٰۃ مقدم ہوتے ہیں نماز پر یہی وجہ ہے کہ جب ایک خاص درجہ کی یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے پھر زیادہ تر تلاوت ہی میں مشغول کر دیتے ہیں باقی غیر محققین کا ذکر نہیں۔

فرمایا حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے صرف لطیفۂ قلب کا اہتمام سنت ہے کیونکہ حدیث میں اسی کی اصلاح کی ترغیب ہے باقی لطائف کا اہتمام وارد نہیں ہوا وہ از خود درست ہو جاتے ہیں چنانچہ صلح الجسد کلہ وارد بھی ہے۔ سبحان اللہ اس میں

کس قدر سنت کی کامل موافقت ہے۔

فرمایا ہرقل نے زمانۂ جنگ میں سفیر اسلامی سے کہا کہ ہم میں اور تم میں تو ایک اشتراک ہے کہ ہم تم دونوں اہل کتاب ہیں مگر آتش پرستوں سے تو کوئی مناسبت ہی نہیں، چاہئے یہ تھا کہ ان سے پہلے قتال کرتے تو تم ہم پر کیوں آئے؟

قاصد اسلامی نے کیا خوب جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے قلب میں عمل کی دلیل پہلے آتی تھی پھر عمل کرتے تھے اسی واسطے موقع پر اس بنا کو فوراً پیش کر دیا، اس زمانہ کے لوگوں کی طرح نہ تھے کہ عمل تو پہلے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ کر شروع کر دیا اور پھر پوچھنے پر قرآن کو اس پر چپکاتے پھرتے ہیں، وہ جواب یہ دیا کہ قرآن شریف میں حکم ہے قاتلوا الذین یلونکم اور تم قریب ہو اس لئے پہلے تم سے ہی جنگ کی تیاری کی گئی۔

فرمایا اوراد و وظائف میں اکثر لوگ اجازت کو مؤثر سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں سے میں جب اس اجازت مانگنے کی وجہ دریافت کرتا ہوں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں برکت ہے، میں اس پر ان سے کہتا ہوں کہ اگر میں برکت کی دعا کر دوں اس وقت قلب کو ٹٹول کر دیکھئے اگر اس پر بھی وہی قناعت ہو جو اجازت دینے سے ہوئی تب تو یہ دعویٰ ٹھیک ہے ورنہ اندر چور ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ خراب ہے کہ اثر کے اس درجہ کے معتقد ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں۔

فرمایا صالحین کی اولاد کی بھی رعایت ضروری ہے، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک سید زادہ نے دیکھا کہ لوگ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ادب کرتے ہیں اور مجھ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں میرا ادب نہیں کرتے، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے فرمایا یہ میرا ادب نہیں بلکہ درحقیقت تمہارا ہی ادب ہے کیونکہ میرا ادب صرف اس وجہ سے ہے کہ میرے اندر علم ہے اور وہ آپ کے گھر کی چیز ہے اور تمہارے اندر جو چیز ہمارے گھر کی ہے یعنی جہالت یہ بے ادبی اس کی ہے۔

مرسلہ: مولانا سجاد حسین زید مجدہ

شعبان المعظم کے فضائل واحکام

افادات : مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ

یہ ماہ مبارک مقدمہ ہے رمضان شریف کا جیسا کہ ماہ شوال تتمہ ہے رمضان کا۔
قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے:

حٰمٓ والکتٰب المبین اناانزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنامنذرین فیھایفرق کل امر حکیم امرامن عندنااناکنامرسلین ۔یعنی قسم ہے کتاب واضح کی کہ ہم نے اس (کتاب) کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، بے شک ہم آگاہ کرنے والے ہیں، ایسی رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے، بے شک ہم (آپ کو) پیغمبر بنانے والے ہیں۔

اس آیت میں برکت والی رات سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے (ھٰکذا فسرہ عکرمہ، رواہ ابن جریر وغیرہ) پس اس آیت سے اس ماہ کی اور خاص کر پندرہویں رات کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوگئی اور اس ماہ کے متعلق شریعت مقدسہ کے چند احکام ثابت ہوئے ہیں:۔

(۱) اس کے چاند کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔
(۲) پندرہویں شب کو عبادت کرنا اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔
(۳) نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔
(۴) یوم الشک میں روزہ رکھنا منع ہے۔

یہ سب احکام احادیث میں مصرح ہیں، مختصر طور پر کچھ درج کیے جاتے ہیں:
ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شمار رکھو شعبان کے چاند کی رمضان کے لیے (یعنی

جب ماہ شعبان کی تاریخ صحیح ہوگی تو رمضان میں اختلاف کم ہوگا۔(ترمذی)

رسول اللہ ﷺ شعبان کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ کسی ماہ (کے چاند) کا اتنا خیال نہ فرماتے تھے۔(ابوداود)

ان دونوں روایتوں سے قولاً وفعلاً اس ماہ کے چاند کا اہتمام ثابت ہوگیا۔

اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب آدھے شعبان کی یعنی پندرہویں رات ہوتو اس رات کو شب بیداری کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب کے وقت ہی سے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو روزی دوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ (عافیت کی دعا مانگے اور) میں اس کو عافیت دوں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ (رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے) یہاں تک کہ صبح صادق ہوجاوے۔(ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ میں نے اس رات (نفل) نماز کے سجدہ میں آنحضرت ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اعوذبعفوك من عقابك واعوذبرضاك من سخطك واعوذبك منك جل وجهك لااحصى ثناءً عليك انت كمااثنيت على نفسك۔(بیہقی وسنن نسائی)

ترجمہ: تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عقاب سے تیرے درگزر کرنے کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، برتر ہے تو میں تیری تعریف پوری نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے اپنی تعریف کی ہے۔

پھر جب صبح ہوئی تو میں نے اس دعا کا آپ سے ذکر کیا اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! اس کو سیکھ لے اور دوسروں کو بھی سکھا دے، کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو سکھائی ہے اور کہا ہے کہ اسے سجدہ میں بار بار پڑھوں۔

فائدہ:اسی روایت کے دوسرے طرق میں اور دعا بھی ہے بخوف طوالت نقل نہیں کی گئی،جس کوشوق ہو ما ثبت بالسنۃ دیکھ لے۔حدیث سوم سے اس رات کی اوراس میں عبادت کرنے کی و نیز روزہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔اورحدیث چہارم سے ایک خاص دعا معلوم ہوگئی اور روایت مذکورہ کے علاوہ اور روایات بھی اس شب مبارک کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں ارشادفرمایا ہے کہ:اس رات میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لیے جاتے ہیں جواس سال پیدا ہوں گےاور اسی میں وہ سب بنی آدم بھی لکھ لیے جاتے ہیں جواس سال میں مریں گےاوراسی رات میں ان کےاعمال اٹھائے جاتے ہیں اوراسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔(بیہقی)

فائدہ:اعمال اٹھائے جانے سے مراد ان کا پیش ہونا ہے اوررزق نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سال میں جو رزق ملنے والا ہے وہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں پیشتر سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں مگر اس رات کو لکھ کر فرشتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے،واللہ اعلم۔

اورارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کی پندرہویں رات میں پس مغفرت فرما دیتا ہے سب مخلوق کی مگر شرک اورکینہ والے شخص کے لیے (مغفرت نہیں فرماتا)۔(ابن ماجہ)

ایک اورروایت میں ہے مگر دو شخص ایک کینہ رکھنے والا اورایک قتل ناحق کرنے والا اورایک روایت میں ہے یا قطع رحم کرنے والا۔(عین ما ثبت بالسنۃ عن سعید بن منصور)

اورایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نظر (رحمت) نہیں کرتا ہے اس رات میں (بھی) مشرک کی طرف اور نہ کینہ والے کی طرف اور نہ قاطع رحم (یعنی رشتہ ناتہ والوں سے بلاوجہ شرعی تعلق توڑنے والے) کی طرف اور نہ پائجامہ (وغیرہ) ٹخنے سے نیچے لٹکانے

والے کی طرف اور نہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف (البتہ اگر کوئی توبہ کر چکا ہے تو رحمت خداوندی اس پر بھی متوجہ ہو جاتی ہے)۔(عین ماثبت بالسنۃ عن البیہقی)

ان کے علاوہ اور گناہ گاروں پر بھی نظر رحمت نہ ہونا دوسری روایتوں میں آیا ہے۔ پس سب گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے، سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے: کبائر بدوں توبہ معاف نہیں ہوتے اور صغائر سب اس رات کی برکت سے حق تعالیٰ معاف کر دیتا ہے، واللہ اعلم

(۷) ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ (اس رات میں) کلب کی بکریوں کے عدد سے بھی زیادہ (لوگوں) کی مغفرت فرما دیتا ہے۔(رواہ ابن ابی شیبہ والترمذی وابن ماجۃ والبیہقی قال فی جامع الاصول وزاد رزین ممن استحق النار ولیس فیہ حدیث فی الباب الا ھذا وجاء نحو بطریق متعددۃ) یعنی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اتنی کثیر تعداد میں ایسے ہوتے جو (ارتکاب معاصی کے سبب) عذاب النار کے مستحق ہو چکے ہیں۔

فائدہ: اس رات کا نام شب براءت یعنی آزادی کی رات اسی واسطے رکھا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ گنہگاروں کو عذاب جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔(وجاء الحدیث فی البیہقی بلفظ وللہ عتقاء من النار)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب شعبان آدھا ہو جاوے تو روزہ نہ رکھو۔(ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو شعبان سے زیادہ روزہ رکھتے ہوئے کسی ماہ میں نہیں دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ (کل) ماہ شعبان میں روزہ رکھتے تھے سوائے تھوڑے دنوں کے (متفق علیہ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان کے نصف اخیر میں بھی آنحضرت ﷺ

روزہ رکھتے تھے اوراس سے پہلی روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے،اس لیے یوں کہا جائے گا کہ امت کے واسطے تو نصف آخیر کے روزے خلاف اولیٰ ہیں مگر حضور ﷺ اس سے مستثنیٰ تھے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کو نصف اخیر میں روزے رکھ کر ضعف ہوجاوے کہ رمضان کے روزے رکھنا دشوار ہوں اس کے لیے ممانعت ہے اور جس کو ضعف نہ ہو اس کے واسطے مضائقہ نہیں، واللہ اعلم

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم سے کوئی شخص رمضان کے ایک یا دو دن پہلے سے روزہ نہ رکھے، مگر یہ کہ وہ شخص کسی (خاص) دن کا روزہ رکھا کرتا ہو (اور رمضان کے ایک دن پہلے وہ دن ہو، مثلاً ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول ہے اور ۲۹ شعبان کو پیر کا دن ہے) تو وہ شخص اس دن بھی (نفل) روزہ[۱] رکھ لے (متفق علیہ)

اس سے یوم الشک کے روزہ کی ممانعت ثابت ہوگئی، اور ایک یا دو دن کا یہ مطلب ہے کہ بعض مرتبہ تو شعبان کا چاند بلا اختلاف نظر آجاتا ہے، ایسے موقع پر صرف ۳۰ شعبان کے متعلق شبہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ شعبان میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر ۲۹ کو بھی شبہ ہوتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے نہ ۲۹ کو روزہ رکھے نہ ۳۰ کو بلکہ جب شریعت کے مطابق ثابت ہوجائے تب رمضان کو شروع سمجھا جائے، البتہ یوم شک میں یہ مستحب ہے کہ ضحوہ کبریٰ[۲] تک خبر کا انتظار کیا جائے۔ اگر کہیں سے معتبر شہادت آجائے تو روزہ کی نیت کرلے ورنہ کھا پی لے۔ تتمہ عالمگیری میں تصریح ہے کہ شب براءت کو قبرستان میں جانا دوسرے اوقات میں جانے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اس لیے اس رات کو قبرستان میں جا کر مومنین اور مؤمنات کے واسطے دعا مانگنا چاہیے۔

---

(۱) اور اگر وہ شخص بھی اس روز رمضان کا احتمال ہونے کی بنا پر روزہ رکھے تو اس کو بھی جائز نہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) صبح صادق سے غروب آفتاب تک جتنا وقت ہوتا ہے اس کے وسط وقت کو ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں، اسے پہلے روزے کی نیت درست ہے، بعد میں نیت کرنا بے کار رہے۔ ۱۲ منہ

منکرات ماہ ھٰذا

اس شب مبارک میں صرف دوتین باتیں ثابت ہیں۔

عبادت کرنا اورقبرستان میں جا کر دعائے مغفرت کرنا۔اس کے علاوہ شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا،حتیٰ کہ اس رات کو ایصال ثواب وغیرہ کی بھی کوئی اصل نہیں۔اگر مفصل دلائل مطلوب ہوں تو ''ترجیح الراجح'' حصہ سوم فصل سوم ضرور قابل ملاحظہ ہے۔مگر جاہل لوگوں نے عبادت کی جگہ بہت سی بے ہودہ رسمیں ایجاد کررکھی ہیں،جن کو سیدی مرشدی حضرت حکیم لاامت تھانوی دامت برکاتہم نے ''اصلاح الرسوم'' میں بخوبی بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا بعینہ اصلاح الرسوم کی عبارت درج ذیل ہے:

شب براءت میں حدیث شریف سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور ﷺ بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع تشریف لے گئے اوراموات کے لیے استغفار فرمایا،اس سے آگے سب ایجاد ہے جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کا داندان مبارک جب شہید ہوا تھا آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا،یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں اس لیے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی ہے یہ ان کی فاتحہ ہے۔یہ بھی محض بے اصل ہے اوراول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں۔دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی شعبان میں نہیں ہوئی۔

(۳) بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب براءت وغیرہ میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اوردیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لیے کچھ پکایا یا نہیں۔ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقل کے اورکسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا اوروہ یہاں ندارد ہے۔

(۴) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شب براءت سے پہلے کوئی مرجاوے تو جب تک اس کے لیے فاتحہ شب براءت نہ کیا جاوے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا، یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مرجاوے تو کنبہ بھر میں پہلا تہوار نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے، مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہنچتا ہے یہ نہیں کہ شب براءت میں اٹکا رہتا ہے۔

(۵) حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدوں اس کے سمجھتے ہیں کہ شب براءت ہی نہیں ہوئی۔ اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہوجاتا ہے کہ اس کو موکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں، فساد عمل بھی ہوجاتا ہے۔ فرائض وواجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے لگتے ہیں اور ان دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح مذکور ہوچکا ہے۔

ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہوجاتی ہے، ثواب وغیرہ کچھ مقصود نہیں رہتا ہے، خیال ہوجاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب کے خست اور ناداری نے گھیر لیا ہے۔ اس الزام کے رفع کرنے کے لیے جس طرح بن پڑتا ہے مرمار کر کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف وتفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہوچکا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لیے قرض سودی لینا پڑتا ہے، یہ جدا گناہ ہے۔

(۶) جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا، یا ادنیٰ درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے۔ اکثر اہل ثروت وبرادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض اس میں بھی ریاء وتفاخر ہوجاتا ہے۔

(۷) بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں، اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ موکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے یہ تو

کھانے پکانے میں مفاسد ایجاد کرتے ہیں ان کے علاوہ آتش بازی کی رسم اس شب میں شائع ہے۔اس کی نسبت اول باب میں بیان ہو چکا ہے حاجت اعادہ نہیں۔تیسرے زیادتی اس میں یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہر چند کہ اجتماع سے شب بیداری سہل تو ہو جاتی ہے مگر نفلی عبادت کے لیے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا یہ خود خلاف شریعت ہے جیسا کہ اسی باب کی فصل اول میں بیان ہو چکا ہے۔البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے اس کا مضائقہ نہیں۔

(۸) بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا اور گھر لیپنا اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت کر لی ہے۔ یہ رسم بالکل کفار کی نقل ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔

چونکہ حضرت والا آتش بازی کا بیان باب اول کی فصل سوم میں تحریر فرما چکے ہیں، اس واسطے دوبارہ اس کو تحریر کرنے کی حاجت نہ تھی مگر اس جگہ تتمیم فائدہ کی غرض سے اس رسم کے رد کو ضروری سمجھ کر ''ما ثبت بالسنۃ'' سے کچھ مضمون لکھا جاتا ہے جو خاص طور پر حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہ مؤلف ما ثبت بالسنۃ نے شب براءت میں آتش بازی کا بے ہودہ مشغلہ کرنے والوں کے متعلق تحریر فرمایا ہے، وھوھذا۔

اور بدعت شنیعہ میں سے وہ رسم ہے جس کا اکثر بلاد ہند میں لوگوں نے رواج دے رکھا ہے، یعنی چراغ جلانا اور ان کو مکانوں اور دیواروں پر رکھنا اور اس پر فخر کرنا اور آتش بازی کے ساتھ لہو ولعب کے لیے جمع ہونا کیونکہ یہ وہ امر ہے جس کی معتبر کتابوں میں کوئی اصل نہیں بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی نہیں، اور کوئی ضعیف اور موضوع روایت تک بھی اس کے بارے میں وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کا بلاد ہند کے سوا کسی ملک میں رواج نہ حرمین شریفین میں زادہما اللہ تعظیماً تشریفاً اور نہ ان کے سوا عرب کے دیگر حصص میں اور نہ بلاد عجم میں، سوائے ہندوستان کے بلکہ ممکن ہے کہ اور یہی ظن غالب ہے کہ ہندوؤں کی رسم دیوالی

سے اس رسم کولیا گیا ہے کیونکہ ہندوستان میں عموماً رسوم بدعیہ زمانہ کفر ہی کی باقی ہیں اور مسلمانوں میں (کفار کے ساتھ) میل جول کرنے اور کفار (کی نسل) میں سے باندیاں اور بیویاں رکھنے کے سبب پھیل گئی ہیں۔

بعض علماء متاخرین نے فرمایا ہے کہ خاص خاص راتوں میں بکثرت چراغ جلانے کا رواج بدعات شنیعہ سے ہے کیونکہ حاجت سے زیادہ چراغ جلانے کے رواج میں کسی موقع پر بھی کوئی اثر شرعی منقول نہیں اور علی بن ابراہیم نے کہا ہے کہ روشنی کی بدعت اول برامکہ سے شروع ہوئی، وہ لوگ آتش پرست تھے۔ پس جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے اسلام میں وہ بات داخل کر لی جس کو اپنی ملمع سازی سے اسلامی طریقہ قرار دے دیا اور (اس سے) ان کی اصل غرض صرف آتش پرستی تھی جبکہ مسلمانوں کے ساتھ ان چراغوں کی طرف سجدہ کرتے تھے (یعنی مسجد میں صف سے آگے چراغ ہوں گے تو آتش پرستی بھی ہو جاوے گی، نعوذ باللہ مسلمان ہو کر بھی شرک کا روگ دلوں میں رہا) اور پھر اس کو جاہل اماموں نے صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کی طرح عوام کو جمع کرنے اور ریاست ووجاہت حاصل ہونے کا جال بنالیا اور قصہ خوانوں نے اپنی مجلسوں کو اس کے ذکر سے پر کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ کو ایسے منکرات دور کرنے کے لیے کھڑا کیا تو وہ مٹ گئے اور آٹھویں صدی کے شروع میں بلاد مصر وشام سے بالکل اٹھ گئے، آہ۔

فائدہ: اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ روشنی اور آرائش بازی کی رسم قبیح اسراف بے جا وغیرہ کی وجہ سے سخت حرام ہونے کے علاوہ رسوم شرکیہ میں سے ہیں اور جو شخص رسوم شرکیہ کا ارتکاب کرے اس کے متعلق بموجب حدیث: من تشبہ بقوم فھو منھم سخت اندیشہ ہے کہ ان مشرکین کے ساتھ اس کا حشر ہو جنہوں نے یہ رسوم شرکیہ جاری کی تھیں۔

کیا اب بھی لوگ ان خرافات سے باز نہ آئیں گے؟ حق تعالیٰ تمام رسوم بدعیہ وشرکیہ کو دنیا سے جلد مٹا دے اور اسلامی سنت کو جاری فرما دے، آمین ثم آمین۔

سید عبدالواسع ترمذی

بزم اشرف کا ایک روشن چراغ

پاکستان و ہندوستان میں شاید ہی کوئی خطہ اور گوشہ ایسا ہوگا جہاں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا علمی اور روحانی فیض نہ پہنچا ہو جس طرح حضرت والا کی سینکڑوں کتابیں مختلف علوم میں علمی فیض پہنچا رہی ہیں اسی طرح اطراف ملک میں بہت سے خلفاء اور تربیت یافتہ حضرات فیض روحانی پہنچانے میں مصروف ہیں ان سے واسطہ در واسطہ فیض پہنچانے والوں کا سلسلہ تو اس قدر وسیع ہے کہ جس کا شمار ہی مشکل ہے حضرت کے ان ہی بلاواسطہ تربیت یافتہ اور خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی بھی تھے۔

ولادت باسعادت: فقیہ ملت حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی نوراللہ مرقدہ ۵ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ بمطابق ۷/جون ۱۸۹۷ء بروز سوموار اپنی ننہیال موضع گنگھیڑی ضلع کرنال میں پیدا ہوئے آپ کی عمر ابھی چار پانچ سال کی ہوگی کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

آپ کے والد ماجد حکیم محمد غوث صاحب دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے۔ فارسی میں بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے اور دہلی کے مشہور نقشبندی سلسلہ میں حضرت شاہ ابوالخیر سے بیعت تھے، جبکہ جد امجد حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین اور سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ ابوسعید دہلوی سے بیعت تھے۔ تفسیر حقانی کے مصنف حضرت مولانا عبدالحق حقانی کا شمار بھی ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

تحصیل علوم: قرآن شریف اور معمولی لکھنا پڑھنا اپنے قصبہ کے پیر جی محمد اسحاق صاحب وغیرہ سے سیکھا اور پھر سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم میں آکر شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری شارح ابوداؤد کے مبارک سایا میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تحصیل شروع کردی، اسی اثناء میں درس نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ خانقاہ امدادیہ

میں کئی حضرات مدرسین مثلاً مولانا انوار الحق امروہی اور مولانا احمد حسن سنبھلی سے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور گاہ بگاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے استفادہ فرماتے رہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی قلمی سند: انقلاب ۱۹۴۷ء میں جہاں بہت سے علمی اداروں کا ضیاع ہوا وہاں مشرقی پنجاب میں بہت سے قلمی اور علمی نوادرات کا ذخیرہ بھی اس انقلاب کی نظر ہوا، حضرت مفتی صاحب کے قلمی تربیتی خطوط اور حضرت حکیم الامت سے جو خط وکتابت ہوئی وہ بھی وہاں ضائع ہوگئی مگر اتفاق سے حضرت سہارنپوری کی عطا کردہ سند محفوظ رہی یہ سند حدیث کی صحاح ستہ اور مؤطین کے متعلق حضرت سہارنپوری نے مفتی صاحب کو اس وقت کے مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم مولانا عنایت الٰہی صاحب سے لکھوا کر دی تھی اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت فرمائی تھی۔ اس پر تاریخ ۶/رجب ۱۳۳۷ھ مرقوم ہے جسے قمری حساب سے اب پوری ایک صدی ہوچکی ہے اس کی عبارت یہ ہے:

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله وخيرخلقه محمدوعلىٰ آله واصحابه اجمعين. اما بعد فقد قرأ على اوائل الصحاح الست والمؤطين لامام دارالهجرة مالک رحمه الله تعالىٰ ومحمد بن الحسن الشيباني رحمه اللّٰه تعالىٰ اخى فى الدين المولوى السيد عبدالكريم گمتهلوى واستجازنى على حسن ظنه بى كما اجازنى مشائخى الكرام فاجزته بما يجوز لى روايته من المنقول والمعقول وان لم اكن اهلاًله وان يجيزغيره بشرائط معتبرة لدى اهل الفن لمن تاهل لذٰلک واوصيه ونفسى بتقوى الله فى السروالعلن فيما ظهر وبطن وان يتبع السنة السنية ويتجنب المحدثات الشنيعة ولايخاف فى الله لومة لائم وان لاينسانامن صالح دعواته فى خلواته وجلواته. وآخر دعواناان الحمدلله رب العالمين وصلى الله علىٰ سيدناومولانامحمدوآله وصحبه اجمعين. فقط

امربرقمه العبدالحقيرالفقيرخليل احمدصدرالمدرسين فى المدرسة المسماة بمظاهرعلوم سهارنفورسادس رجب ۱۳۳۷ھ

كاتب الحروف

العبدالضعيف عنايت الٰهى عفاالله عنه مهتمم مدرسه

عکس سند

گمتھلہ کی طرف نسبت کی وجہ: حضرت مفتی صاحب کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلہ گڈھو تھا لیکن آپ نے ہمیشہ تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں باہر ہی عمر گزاری، مگر اپنے آبائی وطن سے تعلق ونسبت کو ہمیشہ باقی رکھا، اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ ہمارے قصبہ کے ایک ذیل دار غالباً چودھری نصیب خان صاحب مرحوم سے وعدہ کرلیا تھا کہ گمتھلہ کی طرف اپنی نسبت کو ہمیشہ باقی رکھوں گا اور پھر تمام عمر اس وعدہ کا ایفا کرتے رہے، کسی نے سچ کہا ہے الکریم اذا وعدوفیٰ۔

مدرسہ عبدالرب دہلی میں تعلیم: مدرسہ عبدالرب دہلی میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگردوں میں خاص شان رکھتے تھے دارالعلوم دیوبند کے مدرس رہ چکے تھے اور حضرت تھانوی قدس سرہ کے اساتذہ میں سے تھے مفتی صاحب نے انکی خدمت میں رہ کر مسلم شریف اور ترمذی شریف حدیث کی دو کتابوں کو دوبارہ پڑھا۔

تدریس: درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت سہارنپوری کے ایماء سے حضرت مفتی صاحب موضع اجراڑا ضلع میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے، اس کے بعد ایک عرصہ تک مفتی صاحب اپنے پیرومرشد حضرت تھانوی کے زیر سرپرستی تدریسی، تالیفی، اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔

سفر حج وقیام مدینہ منورہ: آپ نے پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور تقریباً آٹھ ماہ کے بعد واپسی ہوئی، پھر ۱۳۵۶ھ میں دوسرے سفر حج میں بمع اہل وعیال جانا ہوا اور ایک سال حجاز میں قیام کے بعد دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی دوسرے سفر حج میں آٹھ ماہ مسلسل مدینہ منورہ میں قیام کا شرف حاصل ہوا۔ اس طرح آپ نے تین حج کیئے۔

مدینہ منورہ میں تدریس: مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں حدیث وفقہ کی بڑی کتابوں مسلم شریف، موطا امام مالک اور ہدایہ وغیرہ کے درس دینے کا موقع اللہ تعالیٰ نے

نصیب فرمایا حرم نبوی کے بعض اساتذہ بھی درس حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے۔

مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال ہند: حضرت مفتی صاحب نے ۱۳۵۶ھ میں شاہ آباد ضلع کرنال میں دینی تعلیم کیلئے ایک ادارہ قائم فرمایا حضرت اقدس قطب عالم شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ چونکہ ۳۵ سال اس جگہ قیام فرما چکے تھے اس لئے اس مدرسہ کا نام ''قدوسیہ'' تجویز ہوا۔ پھر جب شاہ آباد میں دوسرے محلّہ میں مدرسہ بنایا گیا تو حضرت تھانوی نے اس کا نام حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کے نام مبارک پر ''حقانیہ'' تجویز فرمادیا حضرت مفتی صاحب نے ان دونوں مدارس میں اہتمام کے ساتھ تدریس کی خدمات بھی سرانجام دیں اس کے علاوہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں بھی آپ نے ایک ''عربی مدرسہ'' قائم فرمایا اس کے مہتمم ونگران بھی آپ خود تھے۔

مدرسہ قاسم العلوم میں بطور شیخ الحدیث تقرر: ۱۳۵۶ھ میں فاضل دیوبند تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ جناب حضرت مولانا فضل محمد صاحب نے فقیروالی ضلع بہاولنگر میں ''قاسم العلوم'' کے نام سے دینی ادارہ قائم فرمایا۔

۱۳۶۳ھ میں جب پہلی مرتبہ حضرت مولانا موصوف مرحوم نے مدرسہ قاسم العلوم میں دورہ حدیث شریف کے آغاز کا فیصلہ فرمایا تو صدر مدرس وشیخ الحدیث کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ چنانچہ اس طرح ایک سال آپ نے اس ادارہ میں حدیث شریف کے بڑے اسباق پڑھائے۔ اس وقت یہ مدرسہ خوب ترقی پر ہے اور ملک کے مشہور ومعروف مدارس میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت حکیم الامت سے تعلق خاطر: حضرت تھانوی قدس سرہ سے آپ کو ایک خاص تعلق تھا، حضرت تھانوی قدس سرہ کے انتقال کے بعد جائے تدفین کے انتخاب کرنے میں شرکت کا خصوصی شرف حاصل رہا۔

چنانچہ خاتمۃ السوانح میں ہے کہ:

مولانا شبیر علی صاحب تھانوی برادرزادہ حضرت اقدس مع جناب مولانا عبدالکریم گمتھلوی کے دفن کی جگہ تجویز کرنے کیلئے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر دونوں صاحبوں کی رائے بلا اختلاف اسی جگہ کی ہوئی جہاں حضرت اقدس آرام فرما ہیں اور وہ واقعی ہر لحاظ سے ایسا اچھا موقع ہے کہ جس نے دیکھا بہت پسند کیا (خاتمۃ السوانح)

حضرت حکیم الامت کی شفقت وعنایت: حضرت بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ ایک خط میں تحریر فرمایا ''واللہ میں آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں'' حضرت قدس سرہ جب کسی کو اجازت بیعت وتلقین فرماتے تھے تو اکثر اس کا یہ عنوان ہوتا تھا'' بے ساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیدوں لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں'' لیکن آپ کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے جو تحریر فرمائی وہ مندرجہ ذیل تھی:

اجازت نامہ

مشورہ بآزادی رائے حسب معمول اس وقت بھی بعض احباب کو میں نے اس خدمت کیلئے منتخب کیا ہے کہ وہ شائقین دین کو اپنی معلومات سے نفع پہنچائیں اور ایسی جماعت کا لقب مجاز صحبت رکھا ہے میں نے آپ کو بھی توکلاً اس سلسلے کیلئے تجویز کیا ہے اگر آپ کی مصلحت یا طبیعت کے خلاف نہ ہو امید ہے کہ ایسے طالبین کی طرف توجہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بعض دینی خدمات کا تذکرہ

پنجاب میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت مقدسہ کے خلاف ہے مثلاً بہن اور بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا حضرت نے

بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

احقر (حضرت مفتی عبدالکریم صاحب) نے عرض کیا کہ مشاہیر علماء کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ لوگ سمجھ جائیں ارشاد فرمایا جس قدر کوشش ہوسکے اس میں دریغ نہیں کرنا چاہئے نفع کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے احقر کو اس ارشاد کے بعد کسی قدر ہمت ہوئی اور وطن جاکر اپنے نواح میں اس ضروری مسئلہ کی اشاعت خاص طور سے شروع ہوگئی اور امرتسر لاہور کے بعض جلسوں میں بھی اسی غرض سے شامل ہوا لیکن افسوس کہ اہل جلسہ نے یہ عذر کردیا کہ لوگ خلاف کریں گے جلسہ کے ناکام ہونے کا اندیشہ ہے کچھ عرصہ کے بعد حضرت اقدس راجپورہ ریاست پٹیالہ کے قریب تشریف لائے اور دوران قیام اس مسئلہ کا تذکرہ آ گیا تو حضرت نے مفتی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اس کی اشاعت کیلئے تو اس کی ضرورت ہے کہ پنجاب کا سفر کیا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ مصارف کا بندوبست ہوجائے گا اور واپس پہنچتے ہی ۳۰ روپے کا منی آرڈر مفتی صاحب کے نام روانہ فرمادیا اور سفر شروع ہوگیا۔

سفر پنجاب: لاہور وامرتسر کے سفر کے دوران آپ نے ایک سوال تقریباً چالیس پچاس جگہ بھیجا، اس طویل سفر میں صرف لاہور میں ایک جماعت ایسی ملی جس کے کارکنوں کو کسی قدر اس مسئلہ کا خیال تھا اور تھوڑی بہت جزوی کوشش کا بھی ارادہ تھا، مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی چند روز لاہور میں رہنے کے بعد آ گے بڑھنا شروع کیا مگر سوال مذکورہ کے جو جوابات آ چکے تھے ان کو چھپوانا بھی ضروری سمجھا گیا اس لئے غالباً وزیر آباد سے واپس آنا پڑا تھانہ بھون میں حاضر ہوکر فتویٰ چھپوایا جس کا عنوان یہ تھا ''ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت''۔

اس کے بعد آپ نے پنجاب کے سفر کا قصد کیا لیکن اطراف آ گرہ سے فتنہ ارتداد کی افسوس ناک خبر پہنچی، حضرت نے آپ سے فرمایا کہ الاہم فالاہم پر عمل کرنا چاہئے بسم اللہ کرکے آ گرہ اور اس کے نواح میں جاکر تبلیغ کا کام کرو مفتی صاحب تو وہاں چلے گئے اور

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء سے مطبوعہ فتویٰ پنجاب کے شہروں اور قصبوں بلکہ بہت سے دیہاتوں میں بذریعہ ڈاک بھیج دیا گیا۔

جمعیت العلماء کو توجہ دلانا: جمعیت علماء ہند کو اس طرف توجہ دلانے کیلئے جمعیت کے تین جلسوں میں شرکت کیلئے آپ کو بھیجا گیا دو جلسوں میں تو مختلف وجوہ کی وجہ سے کامیابی نہ ہوسکی مگر تیسری بار کی شرکت اور کوشش پر جلسہ ۱۳۴۳ھ بمقام مراد آباد میں ایک پرزور تجویز منظور ہوگئی۔

اسی زمانہ میں آپ نے غصب المیراث کے نام سے ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا، جو کثیر تعداد میں طبع کرا کے تقسیم کیا گیا۔ اس میں سورۃ نساء کے دوسرے رکوع کی تفسیر تھی، یہ رسالہ آپ نے چند گھنٹوں میں دوران سفر تحریر فرمایا تھا۔

پنجاب کا دوسرا سفر: جب علاقہ ارتداد میں بقدر ضرورت تبلیغ ہوچکی تو حضرت والا نے ایک عریضہ کے جواب میں اصل مضمون کے بعد فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ ان قصوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جائے''۔

اس سفر میں مولانا عبدالمجید صاحب بچھرانوی کو بھی حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ بھیجا گیا۔ اس سفر میں سہولت بھی رہی اور اثر بھی زیادہ ہوا، حضرت اقدس کی توجہ اور دعا سے بے حد اثر ہوا اور سفر ختم ہونے سے پہلے ہی لوگوں نے قانون بدلنے کی سعی شروع کردی۔

جب پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۹ء میں قانون میراث کسی قدر پنجاب میں نافذ ہوا تو حضرت مفتی صاحب خوش ہوکر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوشش کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ قانون میراث سب سے پہلے پنجاب اسمبلی میں پاس ہوا۔

انسداد فتنہ ارتداد: ۱۳۴۱ھ میں آگرہ سے ارتداد کی خبر پہنچی کہ وہاں آریہ کوشش کرکے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر رہے ہیں تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا عبدالمجید بچھرانوی کو سفر آگرہ کے لیے تیار فرمایا۔اور مناسب نصائح وہدایات ومزید دعوات کے بعد حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب کو رخصت فرمایا اوران اطراف میں پورے دوسال تک دونوں حضرات نے نہایت اہتمام کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

قیام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون: پنجاب کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ کے حکم سے حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے ، یوں تو آپ نے تعلیمی زمانہ کا بھی کافی حصہ خانقاہ امدادیہ میں گزارا تھا مگر درسیات سے فراغت کے بعد تقریباً ۲۵ سال تک خانقاہ سے تعلق قائم رہا۔

حیدرآباد سندھ میں قیام اور ایک مناظرہ: حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے قادیانیوں سے بہت سے مناظرے فرمائے ،ایک اہم مناظرے کی روئیداد پیش خدمت ہے:

ایک مرتبہ انبالہ سے مرزائیوں نے جلسہ کا اشتہار دیا اوراس میں یہ بھی لکھا جو شخص چاہے جلسہ میں اعتراض کرسکتا ہے۔

مفتی صاحب تھانہ بھون سے اپنے سسرال جانے کیلئے راجپورہ تشریف لائے تو لوگوں نے یہ اشتہار دیا حضرت مفتی صاحب نے اپنا سفر ملتوی کیا اور انبالہ جلسہ مرزائیوں میں پہنچ گئے حضرت مفتی صاحب نے مقرر کی تقریر پر اعتراضات کئے انہوں نے پہلے تو جواب دینے کی کوشش کی جب گرفت سخت ہوتی گئی تو آخر میں یہ کہہ کر جلسہ برخواست کر دیا گیا کہ ہم لوگ ملازم پیشہ ہیں صبح کو دفتر میں کام کیلئے بھی جانا ہے چونکہ رات کا کافی حصہ گزر گیا ہے اب ہم معذرت خواہ ہیں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بہت اچھا اب جلسہ برخواست کل اسی میدان میں ہم مسلمانوں کی طرف سے جلسہ ہوگا آپ صاحبان کو بھی دعوت ہے ہمارے جلسہ میں آئیں اور دل کھول کر اعتراضات کریں اور ہم سے جواب لیں۔

اگلی شب اسی میدان میں جلسہ ہوا حضرت مفتی صاحب نے ایک تفصیلی تقریر

حیات مسیح علیہ السلام پر فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب میں صبح تک اسی جگہ ہوں جس کا دل چاہے اعتراض کرے اور جواب لے ہماری طرف سے وقت گذرنے کا عذر نہ ہوگا مرزائیوں میں سے ایک شخص اٹھا اور کچھ اعتراضات کیئے مگر مفتی صاحب نے ان کو ایسی بری طرح الجھایا کہ وہ بے بس اور عاجز ہوکر رہ گئے اور یہی کہتے بن پڑا کہ اس کا جواب قادیان سے منگوایا جاسکتا ہے حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں اس کا جواب منگوادیجئے مگر انہوں نے شکنجہ سے نکلنے کیلئے یہ راستہ اختیار کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی اس جرأت سے مرزائیوں کے قلوب پر مسلمانوں کا اتنا رعب چھا گیا کہ وہ انبالہ میں تین سال تک جلسہ عام نہ کرسکے اور پھر تمام عمر کیلئے ان کو ایسا سبق ملا کہ انہوں نے یہ لکھنا ہی چھوڑ دیا کہ ہر شخص جلسہ میں اعتراض کرسکتا ہے۔

تحفظ مکاتب از جبریہ تعلیم: حضرت مفتی صاحب مکاتب کیلئے دوڑ دھوپ کے دوران دہلی آئے ہوئے تھے کہ اچانک خبر ملی کہ دہلی میں بھی مکاتب ٹوٹ رہے ہیں اب مفصل حال معلوم کرکے تھانہ بھون حاضر ہوئے اور عرض کی کہ جبری تعلیم کی وجہ سے دہلی میں مکاتب قرآنیہ کو حکماً توڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے چنانچہ اس وقت تک گیارہ مکتب ٹوٹ چکے تھے جن میں تقریباً ۲۵۰ بچے تعلیم حاصل کرتے تھے حضرت قدس سرہ کو سخت صدمہ ہوا اور حفاظت مکاتب کی خاطر بہت کچھ دعا مانگی۔

رسالہ جبریہ تعلیم: حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مولانا تھانوی کو جبریہ تعلیم کے بارے میں ایک سوال لکھا، حضرت قدس سرہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا بعد ازاں سہارنپور دیوبند اور میرٹھ سے علماء کرام کے دستخط حاصل کرکے دہلی کے علماء سے بھی تصدیق حاصل کی اور سب مجموعہ ''جبریہ تعلیم'' کے نام سے چھپوا کر شائع کیا جس کا بے حد اثر ہوا اور دہلی میں بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اس کے بعد کوئی مکتب ٹوٹ نہ سکا بلکہ ٹوٹے ہوئے مکتب بھی دوبارہ قائم ہوگئے اور دوسرے مقامات پر بھی دہلی کی کوشش کا بہت اثر ہوا

خاص طور پر مراد آباد سہارنپور وغیرہ میں بروقت کافی روک تھام ہوگئی آپ نے تحفظ مکاتب قرآنیہ کیلئے جوسعی وجدوجہد کی اس کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ میری نجات کا ذریعہ بن جائیگی۔

حضرت مفتی صاحب کی تصنیفی خدمات

حیلہ ناجزہ کی تصنیف: ہندوستان کے اندر شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہورہا تھا حضرت قدس سرہ نے اس طرف خاص توجہ فرمائی اور چونکہ فقہی شرائط کے مطابق ان مسائل میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مالکی مسلک کو اختیار کیا گیا تھا اس لئے مدینہ منورہ کے علماء کرام سے فتاویٰ حاصل کر کے کامل تحقیق کے بعد ان مشکلات کے حل کی نہایت سہل صورتیں تجویز فرمائیں پھر علماء دیو بند سہارنپور سے بار بار مراجعت اور استصواب کے بعد ایک رسالہ ''**الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ**'' تصنیف فرمایا اس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کو برابر شریک رکھا حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی سہولت اور احتیاط کی غرض سے اپنے خاص اہل علم اور اہل تقویٰ دوستوں کو اس تصنیف میں برابر شریک رکھا جن کا نام بھی اسی رسالہ میں لکھ دیا ہے۔

المختارات: اس رسالہ میں خیار بلوغ وغیرہ کی صورتوں کے احکام لکھ کر حضرت حکیم الامت اور دوسرے علماء کی تصدیق کے بعد ''حیلہ ناجزہ'' کا تتمہ بنادیا گیا ہے۔

وفاق المجتهدين عن رفاق المجتهدين: ایک عالم نے الحیلۃ الناجزہ سے متعلق چند سوالات اور اشکالات لکھ کر تھانہ بھون بھیجے تھے حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اس رسالہ میں ان سوالات کے جوابات تحریر کئے ہیں اور ان کے اشکالات کو رفع کیا ہے خط وکتابت کے اسی مجموعہ کا نام ''**وفاق المجتهدين عن رفاق المجتهدين**'' ہے حضرت حکیم الامت نے بھی اس پر تصدیق تحریر فرمائی تھی۔

تجدد اللمعه فی تعدد الجمعه: مولانا عبدالحق صاحب مدنی نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کو ثابت کرنے کی غرض سے ایک رسالہ بنام ''القول الجامع'' عربی زبان میں تالیف کیا تھا حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون سے اس کا جواب تفصیل کے ساتھ لکھا اور تعدد جمعہ کے جائز ہونے کو مفتی بہ قرار دیا اس پر حضرت حکیم الامت نے بہت عمدہ الفاظ میں تصدیقی کلمات تحریر فرمائے تھے اور حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے اس پر تحریر فرمایا تھا کہ ''یہ تحریر خاصی استقراء سے لکھی گئی ہے'' مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری نے اس پر مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسے جواب کی بڑے حضرات سے ہی توقع کی جاسکتی تھی۔

قانون اوقاف: بعض اوقاف میں متولیوں کی گڑبڑ دیکھ کر ایک مسودہ قانون کونسل میں پیش کیا گیا جب وہ مسودہ رائے عامہ کیلئے شائع ہوا تو دیوبند اور سہارنپور کے مہتمم صاحبان مع دیگر حضرات کے تھانہ بھون جمع ہوئے صلاح ومشورہ کے بعد قرار پایا کہ حضرت قدس سرہ کی زیر نگرانی اس مسودہ پر تفصیلی نظر کر کے اس کے نقائص کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ترامیم بھی تجویز کردی جائیں جن کے بعد یہ مسودہ شریعت کے موافق ہوجائے اس کام کے واسطے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب، مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مولانا عبدالکریم کمتھلوی صاحب کو تجویز فرمایا ان تینوں صاحبان نے مل کر ہر ایک چیز میں حضرت قدس سرہ کی رائے حاصل کرنے کے بعد اس مسودہ قانون پر تبصرہ لکھا ۲۳ ذی الحجہ کو تبصرہ مکمل ہوکر حضرت قدس سرہ کے دستخط سے مزین ہوا۔

القول الرفیع فی الذب عن الشفیع: حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''غایات النسب'' پر جب بعض لوگوں نے شور وغوغا کیا اور بڑے بڑے حضرات بھی اس سے متأثر ہوگئے اور رسالہ کی بعض روایات پر تنقیدات اخبارات میں شائع ہوئیں تو اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے دو حصوں میں ایک تحریر لکھی جس میں ایسی تنقیدات کا علمی جائزہ لیا اور درج شدہ عنوان سے اس کو شائع کرایا۔

بیان القرآن اور بہشتی گوہر پر نظر ثانی: حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ رہ کر حضرت مفتی صاحب نے درس وتدریس اور افتاء وغیرہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں ''بہشتی گوہر'' جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت قدس سرہ کے حکم سے نظر اصلاحی فرمائی تھی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا اور ''بیان القرآن'' پر نظر ثانی میں بھی حضرت قدس سرہ نے آپ کو شریک رکھا تھا۔

ایک خواب: ایک بزرگ عالم نے خواب دیکھا کہ میرے مکان پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فلاں چار پائی پر آرام فرما رہے ہیں چند روز کے بعد مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی میرے مکان پر مہمان ہوئے اور اسی جگہ اسی چار پائی پر قیام ہوا معاً میرے دل میں آیا کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ مفتی عبدالکریم صاحب کو فقہ سے بہت مناسبت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر صحابہ میں تفقہ کے اندر ممتاز شان رکھتے تھے حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو ہر علم سے مناسبت ہے۔

تتمہ امداد الاحکام: زمانہ قیام تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی حضرت مولانا صاحب نے فتویٰ کا جو کام کیا تھا حضرت تھانوی نے سلسلہ امدادیہ کے تفاؤل کے ساتھ تتمہ ''امداد الاحکام'' نام رکھا تھا جو ''امداد الاحکام'' کے ساتھ چار جلدوں میں دارالعلوم کراچی سے طبع ہو چکا ہے۔

افادۃ العوام ترجمہ نصوص خطبات الاحکام: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سال بھر کے جمعوں کے واسطے الگ الگ خطبات کا جو مجموعہ بنام ''خطبات الاحکام لجمعات العام'' تصنیف فرمایا تھا وہ بکثرت آیات واحادیث پر مشتمل ہے اور حضرت مفتی صاحب نے عام نفع رسانی کی خاطر ان خطبات کی آیات واحادیث کا ترجمہ مع ضروری فوائد کے لکھا اور بعض ایسی روایات جن کو حضرت تھانوی نے اصل مسودہ میں تحریر فرمایا تھا مگر نظر ثانی کے وقت بغرض اختصار ان کو حذف فرمایا ان کا ترجمہ بھی اضافہ کا عنوان قائم

کر کے دیا تھا یہ ترجمہ عنوان بالا سے طبع ہو کر خطبات الاحکام کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

الفضائل والاحکام للشہور والایام: آپ نے اس کتاب میں اسلامی مہینوں سے متعلق ہدایات واحکام اوران میں کی جانے والی رسوم کی تردید فرمائی ہے، آپ کی یہ کتاب بحمداللہ تعالیٰ مقبولِ عوام وخواص ہے۔تقریباً ہر مکتبہ نے اسے شائع کیا ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

سیاسی مسلک وخدمات: حضرت مفتی صاحب سیاسی مسلک میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اوراس کے نظریۂ متحدہ قومیت کے بہت مخالف تھے اسی لئے ایسے امور میں گفتگو کیلئے حضرت تھانوی اپنی جانب سے آپ کو ہی بھیجا کرتے تھے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کیلئے جو وفود حضرت تھانوی کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں آپ کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی ہمیشہ سے مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حامی رہے اور کانگریس کی سخت مخالفت کی حتی کہ جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اس وقت تک حضرت نے مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا اور جب مسلم لیگ کانگریس سے الگ ہوئی تب حضرت نے اعلانیہ مسلم لیگ کی حمایت فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ خاص تھے وہ بھی سیاسی مسلک اور سیاسی نظریات میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے نظریہ متحدہ قومیت کے بہت سخت مخالف تھے اسی لئے سیاسی اور دینی امور میں حضرت تھانوی آپ سے مشورہ طلب فرماتے اور کسی جماعت یا سیاسی شخصیت سے گفتگو کیلئے حضرت تھانوی اپنی جانب سے آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے قائداعظم محمد علی جناح سے

ملاقات کیلئے جو وفود حضرت تھانوی کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کو بھی شریک کیا جاتا تھا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانوی نے ایک تبلیغی وفد روانہ کیا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا شبیر علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے علاوہ مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی بھی شامل تھے۔

اس وفد نے قائد اعظم کو نماز کی تلقین کی اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس دو بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحبان نماز پڑھیں قاضی شہر کی امامت میں قائد اعظم سمیت کوئی ایک لاکھ افراد نے نماز ادا کی۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے پیرومرشد کے سیاسی مسلک کے تحت تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی مکمل حمایت کی اور مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق مسلم لیگ کے زعماء کو تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا (ماخوذ از کتاب تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر ۱۹۴۷ء کی تحریک آزادی پاکستان میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ اور آپ کے متوسلین حصہ نہ لیتے تو پاکستان معرض وجود میں نہ آتا۔

تقسیم ہند اور ہجرت مع اہل وعیال: ۱۹۴۷ء کے عظیم انقلاب کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی اس سلسلہ میں انہیں کس قدر مشقتیں او رصعوبتیں برداشت کرنا پڑیں یہ ایک خونچکاں داستان ہے جس کیلئے دفتر بھی ناکافی ہے۔ انتقال آبادی اور ہجرت کا عمل بڑا ہی صبر آزما مرحلہ تھا مسلمانوں کو اس ہنگامہ سے دوچار ہونے میں بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت مفتی صاحب سفر پر تھے کہ اچانک حالات انتہائی خراب ہوگئے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو راستہ میں شہید کیا جانے لگا راستے میں بدامنی عام ہوگئی آپس میں روابط بھی منقطع ہوگئے، رابطہ کرنے پر سب جگہ سے یہی جواب ملا کہ اس وقت ان کے بارہ

میں علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اس سے اور بھی تشویش بڑھ گئی اسی پریشانی میں قافلہ پاکستان کیلئے روانہ ہوا، کچھ عرصہ کے بعد حضرت مفتی صاحب لاہور پہنچ گئے آپ ہند سے پاکستان تشریف لائے ادھر سے قافلہ کے ذریعہ دیگر اقرباء بھی لاہور میں آ ملے راستہ میں آپ کے بھائی جناب عبدالرحیم صاحب قصور پہنچ کر انتقال فرما گئے اور دوسرے بھائی عبدالحی صاحب بھی شدید زخمی حالت میں ہسپتال تھے حضرت مفتی صاحب نے تمام صورتحال کا جائزہ لیا اور سب اقرباء کا پتہ کر کے ان کو تسلی دی اور ان کی سہولت کیلئے کچھ انتظامات فرمائے اور تھوڑے ہی دنوں بعد سرگودھا منتقل ہو گئے، یہاں کے علماء سے رابطہ کیا اور ایک مکان بلاک نمبر ۱۸ میں آپ نے لے لیا اس طرح آپ نے سرگودھا رہنے کا فیصلہ فرمایا اور کچھ دنوں بعد اپنے فرزندان گرامی کو بھی یہیں بلا لیا سرگودھا سے پھر آپ ساہیوال تشریف لے آئے۔ ۲ر فروری ۱۹۴۸ء کو ساہیوال میں پہلی مرتبہ تشریف آوری ہوئی۔ حضرت مفتی صاحبؒ زیادہ تر مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں جدوجہد فرماتے رہے اور اس بارہ میں انہیں خاصی مصروفیات رہیں اکثر وبیشتر سرگودھا قیام فرماتے متعلقہ افسران سے ملاقات وگفتگو بھی رہتی گروٹ اور ساہیوال دو جگہ کیلئے تحریری طور پر آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ جسے چاہیں ان میں آپ آباد کریں زیادہ تر رائے ساہیوال کی ہوئی چنانچہ آپ کے حکم سے کچھ گھر ساہیوال آ گئے اور یہیں آباد ہوئے۔ آپ کا پروگرام تھا کہ ایک وسیع دارالعلوم بنایا جائے اس کیلئے جگہ کا انتخاب بھی فرما چکے تھے مگر قدرت کو منظور نہ تھا ساہیوال میں ایک جگہ عارضی طور پر آپ نے اس کام کیلئے الاٹ کرالی تھی مگر وہاں کام شروع نہ ہو سکا۔

چونکہ آپ سیاست میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے اور حضرت اقدس تھانوی کی تربیت میں سیاسی خدمات انجام بھی دے چکے تھے یہاں بھی آپ نے اس میں سرگرم حصہ لیا اور مسلم لیگ کی بھرپور تائید کی دسمبر ۴۸ء میں پہلا الیکشن پرائمری مسلم لیگ کا ہوا اس میں آپ نے خاص دلچسپی لی یونی نسٹ نمائندہ کا آپ نے مقابلہ کیا فریق مخالف کو منہ کی کھانی

پڑی اور آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

ہجرت کے بعد ساہیوال میں آپ کا قیام تقریباً سوا سال ہوا لیکن اس عرصہ میں آپ نے جو محنت کی وہ حیرت انگیز ہے اپنے مشن میں دن رات آپ نے ایک کر دیا تھا بعض اوقات آپ ۲۳ میل کا طویل سفر ساہیوال سرگودھا پیدل فرمالیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے جو عرصہ آپ کو یہاں عطا فرمایا اس میں گوناں گوں مصروفیات وخدمات کے علاوہ علمی حلقوں میں آپ کی بصیرت وفقاہت اور دانائی کو تسلیم کیا گیا اور یہاں کے کہنہ مشق حضرات میں آپ کا تعارف بہتر طریقہ سے ہوا، اور آپ کے کردار نے ان شخصیات پر گہرا اثر ڈالا۔

سفر آخرت وتعزیتی پیغامات: بالآخر حسب دستور اور مسلمہ قانون الٰہی کل نفس ذائقة الموت، و کل من علیھا فان آپ کو بھی موت کا ذائقہ چکھنا پڑا جس سے کسی بشر اور متنفس کو مفر نہیں یہاں آ کر آپ نے جس طرح بے آرامی میں وقت گذارا اس کی روئیداد آپ کے سامنے ہے اس جدوجہد کے نتیجہ میں آپ کی صحت گرتی چلی گئی ڈاڑھی اور سر کے بال بھی مکمل سفید ہو گئے اور بینائی میں بھی کافی فرق پڑ گیا حالانکہ آپ کی عمر ۵۳ سال تھی جبکہ دیکھنے والوں کو ستر اسی سے کم نظر نہ آتی تھی۔ بیماری کا پہلے معمولی سلسلہ شروع ہوا پھر بخار واسہال نے کمزور کر دیا ایک ہفتہ اسی شدید عارضہ میں مبتلا رہے بالآخر بزم اشرف کا یہ چراغ ۸ مئی ۱۹۴۹ء ۹ر رجب المرجب ۱۳۶۸ھ شب گیارہ بجے بجھ گیا۔ یوں آپ نے اپنے پسماندگان کو داغ مفارقت دے کر سب کو غم زدہ کر دیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

وفات رات کو ہوئی صبح فجر کے بعد جنازہ گاہ میں جنازہ آپ کے لائق فرزند جانشین فاضل دیوبند حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ نے پڑھائی اسی قصبہ کے قبرستان (جو شفیع قبرستان کے نام سے مشہور ہے) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی وفات ایک قومی حادثہ تھا عرصہ تک تعزیت کا سلسلہ چلتا رہا ہر ایک نے رنج وغم کا اظہار اپنے اپنے تعلق کی بنا پر حسب مرتبہ کیا بطور خاص یہ حادثہ آپ کے اعزہ کیلئے

نہایت صبر آزما تھا۔

آپ کا تعلق ہندوستان کے دینی علمی مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے بہت ہی گہرا تھا۔ پاکستان میں بھی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، سب ہی حضرات سے تعلقات وشناسائی تھی ان حضرات نے بھی آپ کے حادثہ وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اسی طرح متعلقین میں جہاں یہ خبر وحشت اثر پہنچی وہاں سے تعزیت کی گئی۔

چند تعزیتی پیغامات: تعزیتی سلسلہ کے چند خطوط ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں تا کہ آپ کو برصغیر کے جید علماء کرام کے تأثرات کا آپ کے متعلق علم ہو اور یہ کہ ان کی نگاہ میں حضرت کی کیا منزلت اور قدر تھی۔

﴿1﴾ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند (ہند)

جناب مولانا عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کی خبر آپ کے والا نامہ سے معلوم ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ وارضاہ آمین۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۵/ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

﴿2﴾ حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

بانی جامعہ دارالعلوم کراچی

آپ کے عنایت نامہ سے حادثہ جانکاہ برادر محترم اخی فی اللہ مولانا عبدالکریم صاحب کی وفات کا معلوم ہوکر عالم آنکھوں میں تاریک ہوگیا حسرت رہ گئی کہ پاکستان میں جمع ہوجانے کے باوجود سال بھر میں کہیں بھی ملاقات نہ ہوسکی اور خط وکتابت بھی منقطع رہی......آہ کہ دفعتاً برادر محترم کی وفات نے ساری امیدوں پر پانی ڈال دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایسے علماء کی وفات تو درحقیقت ایک قومی حادثہ ہے تنہا آپ کی کیا تعزیت کریں مگر پھر آپ اور آپ کے برادر خورد کی بے کسی کا خیال کر کے دل ڈوبا جاتا ہے اللہ تعالیٰ آپ دونوں بھائیوں کو اپنے فضل ورحمت سے نوازیں اور تمام آفات ومصائب سے محفوظ رکھیں والد محترم کے علم کا حظ وافر عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا عثمانی (حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی) اور مولانا احتشام الحق صاحب بھی بہت مغموم ومتأثر ہیں تعزیت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماویں۔............... بندہ محمد شفیع عفی عنہ ۲۲ رجب

﴿3﴾ مخدوم العلماءٔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ

بانی جامعہ خیر المدارس ملتان

مجی حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کے فوت ہونے کا بے حد صدمہ ہوا حق تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرماویں آپ کو جزائے خیر وصبر جمیل شامل رکھیں از حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ومولانا عبدالشکور صاحب مضمون واحد تحریر ہے اور سلام مسنون۔

.... خیر محمد عفی عنہ از خیر المدارس ملتان شہر ۲ شعبان ۶۸ ھ

﴿4﴾ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

مخدوم ومحترم جناب مفتی صاحب کی وفات سے از حد صدمہ اور قلق ہوا حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم کو اور آپ کو صبر جمیل اور اجر جزیل کی نعمت سے سرفراز فرمائے آمین ثم آمین۔............... محمد ادریس غفر اللہ لہ

﴿5﴾ مخدوم العلماءٔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق ناظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور

آپ کے عنایت نامہ سے حضرت مفتی صاحب کے وصال کا حال معلوم کر کے

بہت صدمہ ہوا حضرت ممدوح میرے بہت قدیمی محسن ومخلص تھے میرے شریک اسباق تھے مدتوں ایک ساتھ قیام ہوا تھا خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں اللہ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

فقط..................................محمد اسعد اللہ

﴿6﴾ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب خلیفہ حضرت تھانوی

سابق سرپرست جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد یو۔پی (ہندوستان)

بندہ مع متعلقین بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے آنعزیز کا خط پہنچا جناب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے ایک خاص ملال ہوا اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائیں آپ صاحبان کو صبر جمیل نصیب ہو یہاں مدرسہ میں ختم قرآن پاک کرادیا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔مولوی سلیم اللہ ومولوی رفیق صاحبان کو اطلاع کردی بیچارے وہ بھی خاص غمگین نظر آئے اظہار ملال وافسوس کیا۔...................................احقر مسیح اللہ

﴿7﴾ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس دارالعلوم دیوبند

آپ کے خط سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب کے سانحہ ارتحال کی اطلاع ہوئی سخت صدمہ ہوا مگر صبر کے سوا چارہ کار نہیں مرحوم خیالات کے اختلاف پر سب سے بااخلاق بزرگانہ پیش آیا کرتے تھے۔میں نے ابوداؤد کے سبق کے بعد ان کیلئے تمام طلبہ سے دعاء مغفرت کرائی اور جس قدر ہوسکا ایصال ثواب بھی کیا۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماوے آمین۔................. محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند ۲۱/رجب ۱۳۶۸ھ

(آپ کے تفصیلی حالات کے لیے ''حیات ترمذی'' اور ''تذکرہ حضرۃ مفتی عبدالکریم ملاحظہ کریں)

مرتبہ: عبدالناصر ترمذی

مکتوبات حضرت ترمذی قدس سرہ (قسط ۱)

بنام: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

ماہنامہ ''الحقانیہ'' میں حضرت فقیہ العصر یادگار سلف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کے مکتوبات کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ جن حضرات کے پاس حضرت کے خطوط ہوں وہ ادارہ کو بھجوادیں تا کہ ان کو بھی افادہ عام کے لیے شائع کر دیا جائے، شکریہ۔ (ادارہ)

مکتوب (۱)

باسمہ تعالیٰ

برخوردار عبدالقدوس سلمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں مغرب کے وقت برخوردار عبدالغفور سلمہ گھر پہنچ گیا تھا۔ الحمدللہ حالات معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ امید ہے کہ آج تمہارے اسباق بھی شروع ہو گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائیں۔

مشکوٰۃ شریف، دورہ حدیث شریف کے لیے بنیادی کتاب ہے اور اصل حدیثی مباحث اور معنیٰ حدیث اس میں سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو سرسری طور اور رواروی کے ساتھ پڑھنے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اس لیے اگر پابندی کے ساتھ کماحقہ پڑھنے کا انتظام ہو سکے تو ضرور اس کو پڑھا جائے تا کہ آئندہ سال دورہ حدیث میں داخلہ ہو سکے (۱)۔

(۱) احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں درجہ سادسہ میں داخل ہوا تھا، اس درجہ میں مشکوٰۃ شریف نہیں تھی وہ درجہ سابعہ میں تھی، حضرت اقدس قدس سرہ کی رائے تھی کہ مشکوٰۃ شریف اسی سال پڑھ لی جائے تا کہ آئندہ سال دورہ حدیث شریف ہو سکے، احقر نے مع برادرم مولانا عبدالخالق صاحب حضرت مہتمم صاحب مدظلہم سے اس کی خصوصی اجازت حاصل کی اور مولانا ممتاز احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ وحضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہم سے یہ کتاب پڑھی، جامعہ کے سالانہ امتحان میں اس کا باقاعدہ امتحان دیا اور آئندہ سال دورہ حدیث شریف کیا، اس مکتوب گرامی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ احقر عبدالقدوس ترمذی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مطالعہ، تکرار، سبق میں شرکت کے ساتھ اساتذہ کرام، رفقاء اور کتابوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نیز مولانا ممتاز احمد تھانوی صاحب وغیرہ احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔بحمدہ تعالیٰ یہاں ہر طرح خیریت ہے۔ سب کی طرف سے درجہ بدرجہ سلام دعا پہنچے۔والسلام

''البلاغ'' کراچی کی دوقسطوں میں جن دلائل سے بینکوں سے رقومات بطور زکاۃ وصول کرنے کا جواز ثابت کیا گیا ہے، ان پر غور فرمانے کی درخواست حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی خدمت میں پیش کردی جائے کہ اب فرضیت رجم کے بعد فرضیت اداء زکاۃ کی طرف توجہ فرمائی جائے(۱)۔فقط

سید عبدالشکور ترمذی

۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ بروز ہفتہ

اس خط کے ساتھ دوسرے پرچہ پر درج ذیل تحریر تھی:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نکاح خواں کے مرزائی ہونے کا مسئلہ درپیش تھا، اس کے متعلق ''زیلعی'' شرح کنز کے حاشیہ ''شلبی'' میں عبارت ذیل نظر سے گزری، میرے خیال میں یہ جواز میں نص صریح ہے۔اس طرح کی جزئی کی مجھے تلاش تھی جس سے باب نکاح میں غیر مسلم کی توکیل

(۱) حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ نے منکرین فرضیت رجم کے رد میں ''فرضیت رجم کے نام'' سے مدلل رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ضیاء الحق مرحوم نے ۷۹ء میں جب زکوٰۃ آرڈیننس جاری کیا تو بنک سے سے زکاۃ کی کٹوتی شروع ہوگئی۔اس کے جواز میں ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی نے دوقسطوں میں مضمون شائع کیا۔حضرت اقدس والد ماجد اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس کے حق میں نہ تھے۔''البلاغ'' کے اس مضمون میں مندرجہ دلائل کے جائزہ کی ضرورت تھی، اسی کے لیے احقر کے ذریعہ حضرت مفتی صاحب سے یہ درخواست فرمائی گئی، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں تحریراً اس کا رد فرمایا تھا مگر افسوس کہ وہ شائع نہیں ہوا۔احقر عبدالقدوس

کا جواز ثابت ہوتا ہو، اس میں ذمی کے وکیل نکاح بنانے کی جواز کی تصریح ہے، یہ اور بات ہے کہ خارجی مفاسد کی وجہ سے کسی کافر کو وکیل بالنکاح نہ بنانا مصلحت ہے۔

اس کے علاوہ فقہاء نے زکاۃ میں ذمی کو وکیل بنانے کا جزئیہ لکھا ہے جو کہ خالص عبادت ہے، نکاح کا معاملہ زکاۃ سے اسہل ہے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم اس پر غور فرمالیں تو اطمینان ہوجائے گا(۱)۔ رائے گرامی تحریر فرماویں نوازش ہوگی۔ واللہ اعلم

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مکتوب (۲)

باسمہ تعالیٰ

برخوردار عبدالقدوس سلمہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تمہارا پرچہ اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ موسوم بہ ''محقق فرضیت رجم'' بدست ملک عبدالوارث پہنچا، واقعی منکرین رجم کے لیے ایٹم بم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیوضات کو عام ونافع بنائے، آمین۔ ابھی کچھ دیکھا ہے سب دیکھوں گا۔ اسباق شروع ہونے سے اطمینان ہوا، جورہ گئے ہیں امید ہے وہ بھی شروع ہوجائیں گے۔

گزشتہ ہفتہ کے روز ذوالقعدہ کو ۱۱ بجے حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا تشریف لے آئیں، کار مدرسہ کے دروازہ کے سامنے پہنچی اچانک ایک بچے نے پیغام دیا، میں حاضر ہوا اور کار کو واپس موڑ کر گھر لے گیا، ٹوبہ تشریف لائی ہوئیں تھیں وہاں سے سرگودھا جاتے ہوئے کرم فرمایا، غریب خانے پر تشریف لائیں پندرہ بیس منٹ قیام فرمایا، حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی تھی مگر عوارض کی وجہ سے اس کو بہتر نہیں سمجھتے تھے۔ سرگودھا کے ایک عالم نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ لکھا تھا جبکہ حضرت اقدس والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف فی نفسہ جواز کا تھا اس بارہ میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر اور براہ راست حضرت مفتی صاحب سے مکاتبت محفوظ ہے، ''امداد السائل'' میں بھی اس کی نقل موجود ہے۔ یہ خالصۃً بحث کے درجہ میں تھی اس پر فتویٰ نہیں دیا گیا۔ احقر عبدالقدوس ترمذی

کی صاحبزادی ٹوبہ والی بھی ہمراہ تھیں اوران کی بھانجی بھی، ان کا صاحبزادہ کار چلا رہا تھا۔

اس واقعہ سے بہت ہی مسرت ہوئی، اورحضرت تھانوی قدس سرہ کے یاد آ کرتمام روز تھانہ بھون ہی کے خیال میں گزرا۔اوراس کے دوروز کے بعد پیر کے دن ۱۲ بجے کی ریڈیو پر بہت ہی افسوس ناک خبرنشر ہوئی کہ ہمارے بزرگ زادہ حضرت مولانا محمد شریف صاحب مہتمم خیرالمدارس ملتان کی وفات مکہ معظّمہ میں ہوئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس خبر سے بہت ہی صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں، آمین۔مولانا مرحوم میرے بہت ہی گہرے دوست تھے اورمرحوم کوقلبی تعلق تھا۔ اب ایسے مخلص دوست کہاں ہوتے ہیں، کسی وقت ملتان جانے کاارادہ کررہاہوں، حکیم عبدالعزیز امید ہے کہ ہمراہ ہوں گے، راؤعبدالرشید صاحب توحاجیوں کے ہمراہ آج کراچی گئے ہیں۔

باقی الحمدللہ سب خیریت ہے، سب کی طرف سے سلام دعا پہنچے، سب کوحالات کا انتظاررہتا ہے، ڈاک کی بدنظمی سے دیر ہوجاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔مولانا مشرف علی کا حساب کسی وقت ادا ہوجائے گا اور ۵ نسخے ''مالیاتی نظام''، ۵ نسخے ''دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت'' ذاتی نام پر بھجوادیں، اکٹھا حساب ہوجائے گا ان کا پہلا بل پہنچ گیا تھا۔والسلام

سید عبدالشکور ترمذی

۱۲/ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ بروز ہفتہ

مکتوب (۳)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

برخوردار عبدالقدوس سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل دوپہر کے بعد حافظ محمد نواز صاحب کے ذریعہ تمہارا خط ملا اور کتابیں بھی مل

گئیں، حالات معلوم ہوکر اطمینان ہوا، بحمداللہ یہاں پر خیریت ہے سب دعاوسلام کہتے ہیں۔آج عبدالصبور کے پاس سے بھی پرچہ ملا ہے وہاں سب ٹھیک ہیں۔

''جلالین شریف'' کے بارہ میں خیال تھا کہ مولانا محمد سرور صاحب کے پاس ہوگی، مگر مدرسہ کے اسباق کی ترتیب بدلتی رہتی ہے، والخیر فیما وقع ان شاءاللہ تعالیٰ۔''ہدیہ سعیدیہ'' یا''میبذی'' کی بھی کوئی صورت شائد نکل آئے۔''شرح عقائد''بغیر فلسفہ کے سمجھنا مشکل ہوگا۔مشکوٰۃ شریف کا معاملہ بھی درمیان میں ہی ہے۔موجودہ اسباق بھی کافی اور محنت کے طالب ہیں، اللہ تعالیٰ بسہولت کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

میں ملتان گیا تھا دو راتیں وہاں رہا۔مکرمی حاجی عبدالمجید سے بھی ملاقات رہی، فجر سے پہلے واپسی کے دن ناشتہ حاجی صاحب گھر سے لائے تھے، بڑی ہی محبت کے آدمی ہیں اللہ تعالیٰ خوش رکھیں۔

خیرالمدارس کی مجلس شوریٰ تک ابھی عارضی انتظام ہے جوکہ مولانا محمد شریف صاحب مرحوم سفر حج میں جاتے ہوئے خود کر گئے تھے۔حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔دوسرا پرچہ بھی دکھلا دیا جائے اور مولوی وکیل احمد صاحب کو بھی سلام مسنون کے بعد پوچھ لیں کہ وہ''سفر تھانہ بھون'' آپ نے کہاں غار میں چھپا دیا ہے، وہ کب چَھپے گا، کیا ہمارے چُھپنے کے بعد چَھپے گا؟

''دائرہ معارف اسلامیہ'' کا مشورہ نہیں ہوا۔قربانی کا حصہ رات ہی لیا ہے، والله الحمد۔ والسلام

سیدعبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ سہ شنبہ

(جاری.............)

سید عبدالناصر ترمذی

تعمیر بیت اللہ اور مقدس مقامات کا تاریخی جائزہ

تعمیر بیت اللہ کا ایک مختصر تاریخی جائزہ: کعبۃ المشر فہ اللہ تعالیٰ کا وہ محترم گھر ہے جو کرۂ ارضی کے عین وسط میں سرزمین حجاز کے شہر مکۃ المکرّمہ کی ایک مقدس وادی، وادی ابراہیم میں واقع مسجد الحرام کے وسط میں ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔اس کا دروازہ قد آدم اونچائی پر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو کعبہ ہی کے نام سے معنون فرمایا ہے۔

جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام (المائدہ: ۹۷)

بعض دوسرے ناموں سے بھی اسے منسوب فرمایا ہے جیسے:

''البیت''، ''حرم''، ''بیت العتیق''، ''بیت الحرام''، ''بیت المحرم''، اور ''مسجد الحرام''، وغیرہ۔ (قرآن حکیم)

تعمیر ملائکہ قبل آدم علیہ السلام: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعالمین (آل عمران: ۹۶)

جس سے کعبۃ المشر فہ کا ''اولین'' ہونا اور ایک دوسری آیت سے ''بیت العتیق'' یعنی قدیم ترین گھر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تعمیر سیدنا آدم علیہ السلام: ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے کعبۃ اللہ کی بنیادیں موجود تھیں۔ جبکہ تخلیق اور زمین پر آدم علیہ السلام کا اتارا جانا بہت پہلے کا واقعہ ہے۔اس لیے عین ممکن ہے کہ تعمیر ملائکہ کے بعد سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اس کے حکم سے کعبۃ المشر فہ کی تعمیر کی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

تعمیر سیدنا شیث علیہ السلام: اولاد آدم علیہ السلام میں پہلا معروف نام سیدنا شیث علیہ السلام کا آتا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں عمروں کی طوالت کی روایات مشہور ہیں، اس لیے عین ممکن ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد شیث علیہ السلام نے بھی سابقہ عمارت کے بوسیدہ ہو جانے یا منہدم ہو جانے پر کعبۃ اللہ کی بار دگر تجدید و تعمیر کی ہو۔ (روض الانف)

قواعد ابراہیمی: ارشاد ربانی ہے: واذیرفع ابراھیم القواعدمن البیت واسماعیل ربناتقبل منااانك انت السمیع العلیم (سورۃ البقرہ ۱۲۷)

اس آیت مبارکہ سے جہاں یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ابرہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبۃ المشرفہ کو تعمیر فرمایا، وہاں جملہ مفسرین کے مطابق یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ ابرہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے بھی تعمیر ہو چکا تھا، اور یہ کہ انہوں نے کعبہ کو سابقہ بنیادوں پر ہی اٹھایا۔ جیسا کہ اس کی تصدیق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ:

''وہ بنیاد جسے ابراہیم علیہ السلام نے اٹھایا وہ پہلے ہی سے بیت اللہ کی بنیاد تھی'' (فتح الباری)

کعبۂ مشرفہ کی تعمیر: ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے مل کر کعبۃ المشرفہ کی دیواروں کو ایک پر ایک پتھر رکھ کر تعمیر کیا، جن کے درمیان گارا، مٹی یا چونا وغیرہ استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ مشرقی دیوار میں دروازے کی صرف جگہ چھوڑی گئی تھی۔ نہ دروازہ لگایا گیا تھا اور نہ ہی دیواروں پر چھت قائم کی گئی تھی۔ بلکہ یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اندرون کعبہ داہنی جانب حضرہ یعنی کنواں نما گڑھا کھودا گیا تھا جو تین ہاتھ گہرا تھا، جس میں ہدایہ اور تحائف ڈالے جاتے تھے۔ کعبہ کا فرش باہر کی زمین کے برابر تھا، اونچا نہ تھا۔ (بخاری، مسلم)

تعمیر بیت اللہ کے مختلف مراحل: اسحاق بن راہویہ نے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد جب کعبہ منہدم ہو گیا تو عمالقہ نے

اس کی تعمیر کی ۔جب یہ تعمیر بھی منہدم ہوگئی تو اسے جرہم نے تعمیر کیا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد جب کعبہ پھر منہدم ہوگیا تو اس کی تعمیر قریش نے کی'' ۔(مسند اسحاق راہویہ)

قریش کی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے تقریباً ۲۶۴۵ سال بعد عمل میں آئی تھی ۔(تاریخ القدیم کردی)

چنانچہ ابراہیمی تعمیر جو بغیر گارے اور مٹی اور چونے کی تھی ،ظاہر ہے کہ بہت دیر پا نہیں رہی ہوگی ۔اس لیے یقیناً اسے متعدد بار تعمیر کرنا پڑا ہوگا۔لہٰذا عمالقہ اور جرہم نے اپنے اپنے عہد میں کعبہ کو انہدام کے بعد تعمیر کیا۔

ان کے بعد بنی خزاعہ کا دور آیا۔اس دور میں شدید بارشوں کی وجہ سے ایک بڑا سیلاب بھی آیا تھا۔ جسے سیل فارۃ کہا جاتا ہے جس سے کعبہ منہدم ہوگیا تھا لہٰذا بنی خزاعہ نے بھی کعبۃ المشرفہ کی تعمیر کی ۔

بنی خزاعہ کے بعد بنی کنانہ میں سے قصی بن کلاب کا ذکر بھی کتب تاریخ میں ملتا ہے،جنہوں نے کعبہ کی ازسرنو تعمیر کی ۔اگر چہ ان تمام ادوار کی تعمیرات کا حال تفصیل سے نہیں ملتا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان سب نے کعبۂ مشرفہ کو قدیم ابراہیمی بنیادوں پر علیٰ حالہ باقی رکھا اور کعبہ کے طول وعرض میں کوئی کمی بیشی نہیں کی ۔(حیات سید العرب)

آنحضرت ﷺ کی تعمیر بیت اللہ میں شرکت: کعبۂ مشرفہ کی ابراہیمی تعمیر کے ۲۶۴۵ سال بعد اور بعثت نبوی سے پانچ سال قبل یعنی ۳۵ میلادی میں عہد قریش میں کعبہ کی وہ تعمیر عمل میں آئی جس میں آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ۔اور ازسرنو تعمیر کے لیے تعمیر فنڈ اس شرط کے ساتھ اکٹھا کیا گیا کہ مال حرام قبول نہ کیا جائے گا۔

کعبۂ مشرفہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ بھی اس میں شریک تھے اور چنائی کے لیے دیواروں کے پتھر اپنے کاندھوں پر رکھ کر لاتے ۔

حجراسود اور ایک عظیم نزاع: جب دیواریں حجراسود کے مقام تک پہنچیں تو

مختلف قبائل کے درمیان سے اپنے ہاتھ سے رکھنے کے معاملہ پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ بالآخر اتفاق اس بات پر ہوا کہ صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو، فیصلہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ اگلی صبح غار حرا سے واپسی پر جب آپ ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے یہ مقدمہ رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک بڑی سی چادر منگا کر حجر اسود کو اس کے درمیان میں رکھ کر تمام سرداران قبائل سے کہا کہ وہ اس چادر کو اٹھا کر حجر اسود کے مقام تک لائیں۔ جب حجر اسود اپنی بلندی تک آ گیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا، جس سے یہ نزاع ختم ہوگیا۔ (اخبار مکہ)

اثنائے تعمیر اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تعمیری فنڈ اس قدر کم ہے کہ اگر ابراہیمی بنیادوں پر ہی کعبہ کو تعمیر کیا گیا تو تعمیر نامکمل رہ جائے گی۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ حجر اسماعیل کی جانب سے کعبہ کو چھ ہاتھ ایک بالشت کم کر کے دیوار قائم کی جائے۔ چنانچہ اس دیوار کو ابراہیمی بنیادوں پر نہیں بلکہ خود ساختہ بنیاد پر قدرے گولائی کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔ جس سے دو ارکان یعنی رکن عراقی و شامی ختم ہوگئے۔ حجر اسماعیل کی جگہ کہیں زیادہ کشادہ ہوگئی۔ حجر اسماعیل کی چھوٹی دیوار تعمیر کی گئی تا کہ لوگ اس علامت کے باہر سے طواف کریں۔ (شفاء الغرام)

تعمیر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: خانۂ کعبہ کی قریشی تعمیر ۶۴ھ تک باقی رہی۔ سوائے اس کے کہ ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے کعبۂ مشرفہ کو بتوں، مجسموں اور تصاویر کی غلاظت سے پاک کر دیا تھا۔ یزید بن معاویہ کی حکومت میں ۶۴ھ میں اس کے کمانڈر حصین بن نمیر کندی نے مسجد الحرام کا محاصرہ کر لیا جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اس دوران اس نے جبل ابی قبیس پر منجنیق لگا کر بے تحاشہ سنگباری کی۔ جس سے کعبہ مشرفہ کی تمام دیواریں چیخ گئیں۔ حجر اسود تین جگہ سے پھٹ گیا اور مسجد الحرام کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ دوران محاصرہ یزید کی خبر مرگ پہنچی تو حصین بن نمیر محاصرہ ناتمام چھوڑ کر مدینہ ہوتا ہوا شام واپس چلا گیا۔

جب حالات معمول پر آ گئے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ کے حاکم ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے توجہ کعبۂ مشرفہ کی از سر نو تعمیر کی طرف کی۔ اور بروز ہفتہ نصف جمادی الاخریٰ ۶۴ھ کعبہ کو کلیۃً منہدم کر کے ابراہیمی بنیادوں پر نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر کے کام کا آغاز کیا۔ (تاریخ کعبہ)

تعمیر بیت اللہ اور بناء ابراہیمی: کعبہ کو جب فرش تک منہدم کیا جا چکا تو بنیاد ابراہیمی تک پہنچنے کے لیے پہلے حجر اسماعیل کی جانب سے کھدائی کی ابتدا کی گئی۔ چھ ہاتھ ایک بالشت کھدائی ہونے پر بنیاد ابراہیم تک پہنچنا ہوا۔ چاروں جانب کھدائی کے بعد جب بنیاد ابراہیمی پوری طرح نمایاں ہوگئی تو معلوم ہوا کہ بنیاد کے پتھر انگلیوں کی طرح ایک میں ایک، گتھی ہوئی اونٹ کی گردنوں کی طرح تھے۔ چنانچہ اگر ایک پتھر ہل جاتا تو سارے ارکان ہل اٹھتے۔ بلکہ عبداللہ بن مطیع عدوی نے جو بہت طاقتور تھے، ایک رکن میں ''رما'' ڈال کر جو ہلایا تو پورا مکہ ہل گیا۔ جس سے اہل مکہ خوفزدہ ہو گئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو بنیاد ابراہیمی کا مشاہدہ کرایا اور انہیں گواہ بنانے کے بعد کعبۂ مشرفہ کی تعمیر آنحضرت ﷺ کی تمنا کے مطابق بتمام وکمال مکمل کی۔ (کردی)

حجر اسود: حجر اسود جو دوران محاصرہ سنگباری اور آتش زنی کے واقعات کی وجہ سے تین حصوں میں پھٹ گیا تھا، اسے احتیاط سے نکال کر چاندی سے اس کی اصلاح کی گئی اور پھر ریشم میں رکھ کر ایک صندوق میں مقفل کر کے دارالندوہ میں رکھوا دیا گیا۔ جب تعمیر مقام حجر اسود تک پہنچ گئی تو دو پتھروں کو کھود کر اس میں رکھ دیا گیا۔ (تاریخ القدیم)

تکمیل تعمیر: جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بمع معاصرین تنعیم سے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتے ہوئے کعبہ کے چاروں ارکان کا پہلی بار استلام کیا۔ ابراہیمی بنیادو پر اٹھائی گئی یہ تعمیر دس سال تک قائم رہی۔ (تاریخ القدیم)

تعمیر حجاج بن یوسف: ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف نے محاذ آرائی کر کے عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ پھر مکہ پر اپنا تسلط قائم کر کے اس نے عبدالملک بن مروان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے خصومت کی بنیاد پر گمراہ کن خط لکھ کر ان پر کعبہ کی تعمیر میں ذاتی اختراعات کے الزام لگاتے ہوئے ردوبدل کی اجازت چاہی۔ جب اجازت مل گئی تو اس نے کعبہ کی جملہ تعمیرات کو پھر عہد جاہلیت کی تعمیر پر لوٹا دیا۔

اگلے سال ۷۵ھ میں جب عبدالملک بن مروان حج کے لیے مکہ آیا تو اسے اصل صورت حال کا علم ہوا۔ اس نے کعبہ مشرفہ کو دوبارہ زبیری تعمیر پر لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی لیکن علماء نے اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ کوشش اگرچہ بعدازاں ہارون رشید نے بھی کی لیکن امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام علماء نے اسی احتیاط کی بناء پر اجازت نہ دی کہ کعبہ مشرفہ کو اصحاب اقتدار کا بازیچۂ اطفال نہیں بنایا جا سکتا۔ جیسا کہ حجاج نے محض خصومت زبیری کے سبب کعبۂ اطہر کو اپنی تیرہ باطنی کا نشانہ بنایا تھا۔ (البدیۃ والنہایۃ)

تعمیر عثمانی: ۷۴ھ کے بعد ۱۰۳۹ھ تک کعبہ مشرفہ کی دوبارہ تعمیر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ میزابی شمالی دیوار کی مرمت کی جاتی رہی۔ یا باب کعبہ کو تبدیل کیا گیا، اندرونی کعبہ، زینہ اور اس کے ستون بدلے گئے یا میزاب رحمت پر سونے کا خول چڑھایا گیا۔ اسی طرح چھت پر بھی ہلکا پھلکا کام کیا جاتا رہا۔

۱۰۳۹ھ میں ۱۹ر شعبان بروز بدھ بوقت صبح مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں تاریخ مکہ میں پہلی بار نہایت شدید بارش ہوئی۔ جس کے نتیجے میں پانی کا سیلاب عظیم مسجد الحرام میں داخل ہو گیا اور اس قدر پانی بھر گیا کہ قفل کعبہ سے بھی دو میٹر اوپر تک پانی ہی پانی تھا۔ اگلے دن بروز جمعرات عصر کے وقت پہلے حجر اسماعیل کی جانب کی شمالی دیوار کعبہ گری، پھر شرقی دیوار دروازے تک۔ اور غربی نصف دیوار منہدم ہو گئی اور پھر چھت بھی گر گئی۔

یہ سلطان مراد خان آل عثمان کا عہد حکومت تھا۔ چنانچہ سلطان مراد نے کعبہ کی ازسرنو تعمیر کے لیے تمام ضروری اقدامات کئے۔ عہد زبیری کی قائم کردہ مضبوط بنیادوں پر ہی

دیواروں کو تعمیر کیا گیا۔ دیواروں میں لگانے کے لیے جبل کعبہ (جبل شبیکہ) سے ہی تمام پتھروں کو حاصل کیا گیا۔ (شفاء الغرام)

حجر اسود: حجر اسود ایک قدیمی تاریخی پتھر ہے۔ اور عہد ابراہیمی سے کعبۃ اللہ کے شرقی جنوبی رکن میں نصب ہے۔ (تفسیر ابن جریر)

حجر اسود اگرچہ پتھر ہی ہے لیکن یہ کعبۃ اللہ کے پتھروں یا عام پتھروں سے قطعی مختلف ہے۔ (اذرقی)

ارشادات نبوی ﷺ کے مطابق یہ جنت کا یاقوت ہے۔ (صحیح ابن حبان، سنن ترمذی)

یہ نہ پانی میں ڈوبتا ہے اور نہ آگ میں گرم ہوتا ہے۔ (المسجد الحرام، تاریخہ واحکامہ)

حجر اسود کا رنگ: جیسا کہ حجر اسود کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سیاہ رنگ کا پتھر ہے۔ جبکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ مطلقاً سیاہ نہیں بلکہ سرخی مائل سیاہ ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"حجر اسود دہی کی طرح (یا دوسری روایت میں برف کی طرح) سفید تھا لیکن مسح مشرکین کی وجہ سے اس کا رنگ ایسا ہو گیا ہے"۔ (اذرقی)

مجاہد کہتے ہیں کہ:

"عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے وقت میں نے حجر اسود کو دیکھا تو وہ اندر سے سفید تھا"۔ (فاکہی)

محمد بن نافع الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ:

"۳۳۹ھ میں جب قرامطہ سے واپسی پر تنصیب حجر اسود کے موقع پر میں نے دیکھا تو اس کی محض بالائی سطح سیاہ تھی جبکہ وہ اندر سے تمام تر سفید تھا" (الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ)

امام بن علان المکی کہتے ہیں کہ: "۱۰۳۹ھ میں تعمیر سلطان مراد خان کے موقعہ پر میں نے حجر اسود کو دیکھا تو وہ اندر سے سفید تھا" (العلم المفرد)

حجر اسود کی بلندی: عہد ابراہیمی سے ہی حجر اسود کو اسی جگہ پر نصب کیا جاتا رہا ہے، جہاں وہ آج تک نصب ہے۔ارض مطاف سے اس مقام کی بلندی کوئی ڈیڑھ میٹر ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ ہر طویل وقصیر بچے اور بوڑھے اور ہر قد وقامت کے لوگ بآسانی اس کی تقبیل کر لیتے ہیں۔ اور طواف کے ہر شوط کی ابتدا اور انتہاء اس پر کی جاتی ہے۔چنانچہ حجر اسود اپنی اسی حیثیت کی وجہ سے اس شرقی جنوبی رکن میں اپنی منفرد اور امتیازی شان کا مالک ہے۔

''حجر اسود'' زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔جس سے وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جیسا کہ کوئی اپنے بھائی سے ملتا ہے تو پہلے ہاتھ ملاتا ہے۔(ازرقی)

حجر اسود اللہ کا داہنا ہاتھ ہے،جس سے وہ اپنے بندوں سے ہاتھ ملاتا ہے(ابن خزیمہ)

حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(صحیح ابن حبان)

حجر اسود کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے جن سے وہ بروز قیامت اپنا استلام کرنے والوں کی گواہی دے گا۔(المستدرک للحاکم)

حجر اسود کو قیامت کے دن لایا جائے گا تو وہ جبل احد کے برابر ہوگا اور وہ اپنا استلام اور تقبیل کرنے والوں کی گواہی دے گا۔(سنن بیہقی)

زمین پر جنت کی چیزوں میں سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، یہ دونوں جنت کے موتیوں میں سے ہیں۔ان کو جب بروز قیامت لایا جائے گا تو یہ جبل ابی قبیس کے مانند ہوں گے۔ان کی آنکھیں بھی ہوں گی اور ہونٹ بھی جن سے وہ حق وفا ادا کرنے والوں پر گواہی دیں گے۔(فاکہی)

رقت کا مقام: آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔پھر اس پر اپنی پیشانی رکھی اور آپ ﷺ دیر تک گریہ کناں رہے، جب آپ ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آبدیدہ پایا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عمر! یہی تو وہ جگہ ہے جہاں یہ کیفیت طاری ہوتی ہے''۔(بخاری، ابن ماجہ)

حجر اسود نور سے معمور تھا۔ اگر اللہ تبارک تعالیٰ اس کے نور کو چھپا نہ دیتا تو شرق وغرب اس کے نور سے معمور ہو جاتے۔(درمنثور)

قیامت سے پہلے پہلے حجر اسود اور قرآن مجید کو اٹھالیا جائے گا۔ اور آنحضرت ﷺ کا خواب میں آنا بند ہو جائے گا۔(ازرقی)

بوسہ گاہ رسول ﷺ: آپ ﷺ حجر اسود پر تشریف لاتے تو اسے مس فرماتے اور ہاتھوں کو بوسہ دے لیتے۔ حجر اسود کو تین بار چومتے۔ پھر اس پر پیشانی رکھتے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت حاکم وصحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے۔ یا متعدد احادیث جن میں آپ کے استلام وتقبیل کی کیفیات بیان ہوئی ہیں۔ اور جیسا کہ استلام حجر اسود کے موقعہ پر کہا جاتا ہے... واتباعاًلسنة نبيك محمدصلى الله عليه وسلم۔(صحیح ابن خزیمہ)

چنانچہ اہل اسلام کے لیے یہ حجر اسود کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں، جسے آپ ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ وہ اس مقام پر اپنا منہ اور ہونٹ رکھتے ہیں جہاں دہن مبارک اور لب ہائے مبارک رکھے گئے تھے۔

شعار طواف: حجر اسود کا استلام طواف کا شعار ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے استلام کیا ہے اور پھر طواف۔ یہ استلام تقبیل کی صورت میں بھی مسنون ہے، بذریعۂ عصا بھی اور ازدحام کی وجہ سے صرف اشارہ پر اکتفا کی صورت میں بھی مسنون ہے۔(فاکہی)

ازدحام کے وقت استلام: شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استلام حجر اسود کو سنت لیکن مؤمن کو ایذاء پہنچانا حرام مقرر کیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا عمل بھی تھا اور حکم بھی کہ ازدحام کی صورت میں جو بھی احتیاط ممکن ہو کی جائے۔

استلام کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا: حجر اسود کی تقبیل یا استلام کے بعد جہاں ہاتھوں کو چومنے کا حکم ہے وہاں یہ بھی مستحسن ہے کہ اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا جائے۔

جیسا کہ دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرا جاتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق)

بوسہ کا طریقہ: تقبیل حجر اسود کی صورت میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ بوسہ لیتے وقت آواز پیدا نہ ہو۔ (مناسک، ملا علی قاری)

باب کعبہ: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ مشرفہ کی جب تعمیر کی تو دیواروں کو پتھر پر پتھر رکھ کر تعمیر کیا تھا۔ دیواروں پر چھت نہیں ڈالی تھی، دروازے کی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ (اخبار مکہ)

پہلی بار دروازہ کب لگایا گیا: ابن جریج کی روایت کے مطابق ''تبع اول'' پہلا شخص تھا جس نے کعبۂ مشرفہ کو غلاف بھی پہنایا تھا اور دروازہ بھی لگایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تعمیر قریش سے پہلے کی بات ہے اور جب قریش نے کعبۂ اطہر کو تعمیر کیا تو انہوں نے بھی دو پٹ کا دروازہ لگایا۔ (تاریخ الکعبہ)

بیت اللہ کے دو دروازے: عہد اسلام میں پہلی بار جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ مشرفہ کو ابراہیمی بنیادوں پر آنحضرت ﷺ کی تمنا کے مطابق تعمیر کیا تو بیت اللہ کے دروازے بھی ایک کی بجائے دو قائم کئے تھے۔ ایک تو حسب سابق شرقی دیوار میں اور دوسرا شرقی دروازے کے عین سامنے غربی دیوار میں۔ تاکہ بیت اللہ کے اندر جانے والے زائرین ایک دروازے سے داخل ہو کر بآسانی غربی دروازے سے باہر نکل سکیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا رکھا ہوا غربی دروازے کا بالائی لکڑی کا بیم ابھی تک غربی دیوار کعبہ میں محفوظ ہے۔ (اخبار مکہ)

حجاج بن یوسف ثقفی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ کو اپنی ترمیمات کے ذریعہ عہد جاہلیت کی تعمیر پر پھر سے لوٹا دیا۔ (ازرقی)

تاریخ ابواب کعبہ میں پہلی بار شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود نے یہ اہتمام کیا کہ خالص سونے کا دروازہ تیار کرایا۔ جسے پرانے دروازے کو تبدیل کر کے ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

میں نصب کیا گیا۔

حجر اسماعیل علیہ السلام اور حطیم: کعبۂ مشرفہ کی شمالی دیوار جس میں میزاب رحمت لگا ہوا ہے ۔اس کے سامنے ایک کھلا ہوا حصہ دائرہ نما ایک چھوٹی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔یہی حصہ حجر اسماعیل کہلاتا ہے۔حجر پتھر کو کہا جاتا ہے اور حجر کے معنیٰ پہلو یا گود کے بھی ہیں۔چونکہ اسماعیل علیہ السلام کی یہ رہائش گاہ کعبۂ اطہر کے پہلو میں واقع تھی ،اس لیے حجر اسماعیل علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔اس کے پہلو میں پیلو کے درخت گولائی میں لگے ہوئے تھے۔یہیں پر ان کی بکریوں کا باڑہ تھا۔(مرأۃ الحرمین)

۳۵ءمیلادی میں جب کعبۂ مشرفہ کی قریشی تعمیر عمل میں آئی تو تعمیر فنڈ کی کمی کی وجہ سے کعبۂ اطہر کو شمال کی طرف سے چھوٹا کر دیا گیا۔اور یہ چھوٹا ہوا حصہ حجر اسماعیل میں شامل کر دیا گیا۔(مرأۃ الحرمین)

گویا کعبہ کے شمالی جانب کا گول دیوار تک کا حصہ حجر اسماعیل کا ہے،اس پورے حصے کو نہ تو حطیم کہنا صحیح ہے اور نہ ہی حجر اسماعیل ۔اس لیے عوام میں جو ابہام پیدا ہو گیا ہے، اسے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ بعض اس پورے حصہ کو حطیم کہنے لگتے ہیں اور بعض اس مشترک حصہ کو ہی حجر اسماعیل سمجھتے ہیں۔ جو ایک بہت بڑی غلطی کے مترادف ہے کیونکہ کعبہ کی میزاب رحمت والی دیوار خود ساختہ بنیادوں پر قائم ہے ۔اور اس کے دونوں ارکان (رکن عراقی و رکن شامی)بنیادِ ابراہیمی پر قائم نہیں ہیں۔اور اسی وجہ سے ان کا استلام بھی نہیں کیا جاتا جب کہ اس دیوار کی اصل بنیاد،ابراہیمی بنیاد پر ہونی چاہئے تھی۔

میزاب رحمت: تعمیر ابراہیمی سے لے کر تعمیر قریشی تک کعبۂ مشرفہ پر چھت تھی اور نہ میزاب کی کوئی ضرورت ۔لیکن جب قریش نے پہلی بار کعبہ پر چھت قائم کی تو بارش وغیرہ کے پانی کے اخراج کے لیے ضرورت کی بناء پر کعبۂ اطہر کی شمال حجر اسماعیل کی جانب والی دیوار کے وسط میں ایک پرنالہ بھی قائم کیا۔جو اسلامی عہد میں میزاب رحمت کے نام سے

موسوم ہوا۔ (تاریخ القدیم، کردی)

بروایت ازرقی مسنون ہے کہ دوران طواف میزاب رحمت کے محاذ سے گزرتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے:

اللهم انی اسئلك الراحة عندالموت والعفو عندالحساب۔(اخبارمکہ)

اسی طرح ایک اور دعا ہے جو محاذ میزاب پر اثنائے طواف پڑھی جاتی ہے:

اللهم اظلنی تحت ظلك،یوم لاظل الاظلك۔واسقنی

بكأس محمدصلى الله عليه وسلم شربةهنيئة مريئة لاظمأ بعدهاابدا۔

مقام ابراہیم: مسجد الحرام مکۂ مکرمہ میں کعبۂ اطہر سے قدرے مشرقی شمال کی جانب شیشے کا ایک قبہ نما فریم ہے۔ان جالیوں کے اندر سے اس پتھر پر بنے ہوئے نقش قدم کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے جسے ''مقام ابراہیم'' کے نام سے غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔اس پتھر پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدمین شریفین کا نشان بطور معجزہ بنا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اسی مقام کے پیچھے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر کعبہ اطہر کی تعمیر فرمائی تھی۔اور بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہوکر پوری دنیا کو کعبۂ اطہر کے طواف اور حج وزیارت کی دعوت دی تھی۔(فتح الباری)

مقام ابرہیم الخلیل علیہ السلام حجر اسود کی طرح قدیم ہے۔احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں پتھر جنت سے آئے ہیں اور وہاں کے یاقوت ہیں۔(مسند احمد)

مقام ابراہیم کی ساخت: مقام ابراہیم اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک نرم پتھر ہے۔اس میں سختی نہیں ہے۔(تاریخ کعبہ)

یہ جنت سے نازل شدہ یاقوت ہے۔(صحیح ابن خزیمہ)

یہ مربع شکل کا ایک پتھر ہے، جو ایک ہاتھ لمبا، ایک ہاتھ چوڑا، اور ایک ہی ہاتھ اونچا

ہے۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدم قدرے ترچھے اور کوئی سات انگشت کے برابر گہرائی میں ہیں۔دونوں قدموں کے درمیان دوانگشت کا فاصلہ ہے۔(اخبار مکہ)

مقام ابراہیم میں قدموں اور انگلیوں کے نشانات کی موجودگی ہمیشہ سے معروف رہی ہے، جو آج بھی صاف طور پر نمایاں ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''میں نے مقام ابراہیم میں پیروں کی انگلیوں اور تلوے کے نشانات خود دیکھے ہیں''۔(تفسیر ابن کثیر)

مقام ابراہیم کے ان نشانات کو چار ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی نشانیاں اور قدموں کی ہیئت ہنوز باقی ہے۔اور یہ ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے اپنی کھلی ہوئی نشانی قرار دیا ہے۔

مقام ابراہیم کی جگہ: روایات صحیحہ کی روشنی میں راجح تر یہی قول ہے کہ مقام ابراہیم ہمیشہ ہی سے اسی مقام پر رکھا ہوا ہے اور اس کے مقام میں کبھی کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔

۱۷ھ میں جو مشہور سیلاب آیا تھا جسے ''ام نہشل'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس سیلاب کے نتیجہ میں ''مقام ابراہیم'' حرم سے نکل کر پانی کے بہاؤ کی وجہ سے محلّہ مسفلہ میں پہنچ گیا تھا۔جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ فوراً مکہ پہنچے اور لوگوں سے اس کی صحیح جگہ کے بارے میں دریافت کیا، چنانچہ مطلب ابی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کی جگہ کا صحیح صحیح علم ہے۔اس بات کا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا جس کے پیش نظر میں نے ایک رسی کے ذریعہ مقام ابراہیم سے حجر اسود تک، پھر حجر اسماعیل کے دروازے سے مقام ابراہیم تک اور مقام ابراہیم سے بئر زم زم تک پیمائش کر کے رکھ لیا تھا۔یہ رسی میرے گھر میں محفوظ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''آپ میرے پاس بیٹھ جائیں اور گھر کسی کو بھیج کر وہ رسی منگوالیں''۔جب رسی آگئی تو آپ نے ان کے قول کے مطابق مذکورہ

مقامات سے پیمائش کی تو یہ جگہ متعین ہوئی جہاں اس وقت مقام ابراہیم نصب ہے۔مزید تائید کے لیے آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا تو سب نے مقام کی اس جگہ کی تصدیق کی۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام کی جگہ پر بنیاد کھودنے کا حکم دیا اور پھر مقام ابراہیم کو وہاں نصب فرمایا۔چنانچہ مقام ابراہیم آج تک اسی جگہ پر ہے۔(اخبار مکہ)

فضائل مقام ابراہیم: قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:واذجعلنا البیت مثابۃً للناس وامناواتخذوامن مقام ابراھیم مصلّٰی۔(البقرہ :۱۲۵)

اس آیت مبارکہ میں جہاں بیت اللہ کے شرف کا تذکرہ ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے (بغرض عبادت) اور امن کا مقام ہے۔وہیں مقام ابراہیم کے بارے میں خصوصی طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:''اسے نماز کی جگہ بناؤ''۔

چنانچہ طواف بیت اللہ کے بعد اس مقام پر ادائیگی نماز کا حکم مؤکدہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاًوھدی للعٰلمین فیه آیات بینات مقام ابراھیم ومن دخله کان آمنا(آل عمران : ۹۷،۹۶)

اس آیت مبارکہ میں جہاں کعبہ مشرفہ کی اولیت ، برکت اور اہل عالم کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہونے کی فضیلت کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔پھر ان نشانیوں میں سے خاص طور پر مقام ابراہیم کا ذکر کیا گیا ہے۔جب کہ دوسری نشانیوں کا نام نہیں لیا گیا ہے۔

مقام ابراہیم کے اوصاف: تعمیر بیت اللہ کے موقع پر جب پتھر کو دیوار کی بلندی پر رکھنا ہوتا تو یہ خود بخود اتنا بلند ہو جاتا تھا جتنا کہ ضرورت ہوتی تھی۔اور جب ابراہیم علیہ السلام کو نیچے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لینا ہوتا تھا تو یہ خود بخود نیچا ہو جاتا تھا، حالانکہ پتھر میں یہ وصف نہیں ہوتا کہ وہ اونچا ہو جائے یا خود بخود نیچا ہو جائے ، نہ یہ شعور ہوتا ہے کہ کب اسے اوپر اٹھنا اور اونچا ہونا ہے اور کب اسے نیچا ہونا ہے۔(فاکہی)

تکمیل تعمیر بیت اللہ پر جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ اہل عالم کو اطراف واکناف سے اس گھر کے حج وزیارت کے لیے دعوت دیں تو آپ علیہ السلام اسی مقام پر کھڑے ہوئے۔اس وقت یہ پتھر اس قدر بلند ہوا کہ جیسے جبل ابی قبیس، پھر آپ نے اذان دی تو آپ کی آواز کو انہوں نے بھی سنا جو بقید حیات تھے، انہوں نے بھی سنا جو اپنی ماؤں کے شکموں میں تھے اور انہوں نے بھی سنا جو اپنے باپوں کے صلبوں میں تھے۔(فتح الباری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''مقام ابراہیم اور حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں اور انہیں قیامت سے پہلے پہلے اٹھالیا جائے گا''۔(فاکہی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

زمین پر اشیائے جنت میں سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے علاوہ اور کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ان دونوں کو جب بروز قیامت لایا جائے گا تو ان کی آنکھیں اور ہونٹ نظر آتے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کے اپنے ''عهد الست'' کی پاسداری پر گواہی دیں گے۔یہ اس وقت اتنے قد آور ہوں گے جیسے جبل ابی قبیس۔(الدر المنثور :للسیوطی)

آب زم زم: زم زم ''اسم علم'' ہے۔یہ اس کنویں کے لیے بولا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے وسطی حصہ میں واقع ہے۔(لسان العرب)

لغوی اعتبار سے زم زم کے معنیٰ ''رک جا، رک جا'' کے بھی ہیں، اور پانی کی بہت بڑی مقدار کے بھی۔(شفاء الغرام)

بقول قتیبہ زم زم پانی کی آواز کو بھی کہا جاتا ہے۔

اس کا پانی ہمیشہ سے محترم اور مقدس سمجھا جاتا رہا ہے۔اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے زائرین نہ صرف اسے پیتے ہیں بلکہ بطور تبرک اپنے ساتھ بھی لے جاتے ہیں اور تقسیم بھی کرتے ہیں۔

زم زم کی دریافت: جب اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں اپنے حرم اور مرکز عبادت ورشد وہدایت کے قیام کا فیصلہ کیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ کو لے کر اس وادی بے آب وگیاہ کی طرف ہجرت کر جائیں ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے بموجب سفر ہجرت اختیار کیا اور شیر خوار اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکہ مکرمہ کی اس وادی میں جہاں زم زم ہے ، لا بسایا، پانی اور کھجور پر مشتمل جوزادسفر ساتھ لایا گیا تھا چھوڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے لیکن جب یہ ساتھ لایا ہوازادسفر ختم ہو گیا تو پیاس کی شدت نے اسماعیل علیہ السلام کو بے چین کر دیا۔ مامتا سے یہ منظر دیکھا نہ گیا تو وہ بے تابانہ پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوگئیں ،سامنے صفا کی بلندیوں پر چڑھیں، اِدھر اُدھر دیکھا پھر اتریں اور دوسری جانب روانہ ہوئیں مگر اس طرح کہ اسماعیل علیہ السلام نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں ۔مروہ کی طرف جاتے ہوئے کچھ نشیبی جگہ تھی ، جہاں سے اسماعیل علیہ السلام نظر نہیں آرہے تھے تو اسی فاصلہ کو دوڑ کر طے کیا۔ پھر مروہ کی بلندیوں سے دوسری جانب نظر ڈالی ،مگر پانی کہیں نہ تھا۔ بے کلی کی اس حالت میں صفا سے مروہ یہ ساتویں چڑھائی تھی کہ حضرت ہاجرہ نے آواز سنی ،آہٹ پر نظر گئی تو دیکھا کہ ایک فرشتہ اسماعیل علیہ السلام کے پاس موجود ہے ۔ دوڑ کر آئیں تو جبریل امین نے تسلی کے کلمات کہے۔ پھر زمین پر اپنا پیر مارا تو زمین سے پانی کا وہ چشمہ جاری ہوا جو ''زم زم'' کہلایا۔

الغرض! حضرت ہاجرہ نے زم زم (رک جا، رک جا) کہتے ہوئے بہنے والے پانی کے لیے باڑھ بنائی تا کہ پانی جمع ہو جائے اور بہہ کر ضائع نہ ہو، پھر اسماعیل علیہ السلام کو پلایا اور مشکیزہ بھر لیا۔

اسماعیل علیہ السلام زندگی کی منازل طے کرتے ہوئے ،اس لائق ہو گئے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی مدد کر سکیں ۔جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں

حکم دیا تھا۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی دیواروں کے لیے پتھر اٹھا کر لائے اور ابراہیم علیہ السلام انہیں دیواروں پر چنتے جاتے۔

قبلیہ بنو جرہم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ جس سے آپ علیہ السلام کی نسل چلی اور بعد کو اسی کی ایک شاخ قبیلۂ قریش سے خاندان بنو ہاشم میں آنحضرت ﷺ بحیثیت خاتم النبیین اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوۃ)

تاریخی اعتبار سے مکہ پر بنو جرہم کے بعد بنو خزاعہ، پھر عمالقہ اور عمالقہ کے بعد قریش برسر اقتدار آئے۔ بنو جرہم کا دور حکومت صدیوں پر محیط تھا انہیں اپنے دور زوال میں اقتدار ہی سے محروم نہیں ہونا پڑا، بلکہ زم زم کا کنواں بھی گہرا ہوتا ہوتا بالآخر خشک ہو گیا، اور اسے پاٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے ذہن سے یہ بات ہی محو ہو گئی کہ زم زم کا کنواں کہاں تھا۔ (سیرۃ ابن اسحاق)

آنحضرت ﷺ کے جد امجد اور بئر زم زم: آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے جب چار دن مسلسل خواب میں بئر زم زم کی جگہ کھودنے اور پانی نکلنے کے بارے میں دیکھا تو قبیلہ کے کچھ لوگوں سے اس کا ذکر کیا تا کہ وہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ لیکن جب کوئی آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے تنہا ہی اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔ غیبی اشارات صحیح ثابت ہوئے اور بالآخر پانی نکل آیا۔ پانی کی خوبی و شیرینی اور بہت بڑی مقدار میں پانی کی اس دستیابی نے ایک ہلچل مچادی۔ (فتح الباری)

عہد نبوی میں بئر زم زم سے متصل ایک چبوترہ بھی ہوا کرتا تھا، جو سایہ دار تھا۔ جیسا کہ سلیمان الاحول کی بیان کردہ روایت میں آیا ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس صفہ پر چھ رکعات چار چار سجدوں کے ساتھ کسوف الشمس ادا کی تھیں۔ (المسجد الحرام)

فضائل آب زم زم: شق صدر کے موقع پر قلب اطہر کو سینہ مبارک سے نکال کر

پہلے زم زم سے دھویا گیا، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سطح ارض کا سب سے زیادہ بابرکت پانی ہے۔

جنت کی نہر: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ زم زم جنت کی نہروں میں سے ایک ہے'' (مصنف ابن ابی شیبہ)

دنیا کا بہترین پانی: ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سطح زمین پر بہترین پانی زم زم ہے جو پانی کا پانی، کھانے کا کھانا اور بیماری کی دوا ہے''۔ (مجمع الزوائد)

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبدالجبار بن وائل کی اپنے والد سے روایات مظہر ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ زم زم پر تشریف لائے، زم زم کا ایک ڈول کنویں سے نکالا، اس میں سے ایک گھونٹ پیا، پھر دوسری بار نوش فرمایا اور یہ گھونٹ ڈول میں واپس ڈال دیا، اور پھر اس ڈول کو کنویں میں دوبارہ ڈال دیا گیا''۔ (بلوغ الامانی)

یہ اہتمام اس لیے تھا کہ بعد میں آنے والے بھی آپ ﷺ کے دم مبارک اور لعاب دہن مبارک سے شفاء و برکت حاصل کرتے رہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ ہر مرض میں زم زم دوا کی نیت سے پیتے اور فائدہ حاصل فرماتے۔ زم زم پینے سے پہلے آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللهم انی اسئلك علماً نافعاً ورزقاً واسعاو شفاء من كل داءٍ۔(دار قطنی)

فالج زدہ کو زم زم سے شفا:

ایک مفلوج نے: بسم الله الرحمن الرحيم هوالله الذی لااله الاهوعالم الغيب والشهادة هوالرحمن الرحيم سے آخر سورۂ حشر تک۔ اور وننزل من القرآن ماهو شفاء سے آیت کے آخر تک لکھا۔ پھر بئر زم زم پر جا کر اسے زم زم سے دھو کر کہا:

اللهم ان نبيك محمداً صلى الله عليه وسلم قال

ماءُ زم زم لما شرب له۔والقرآن كلامك فاشفني بعافيتك

اور پھر اسے پی لیا۔اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا فضل کیا اور اسے فالج سے مکمل طور پر نجات مل گئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

''زم زم اس مقصد کے لیے ہے جس کے لیے اسے پیا جائے''۔(سنن ابن ماجہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ:

''زم زم پینے والا اگر زم زم کو شفا کی نیت سے پئے تو شفاء حاصل ہوتی ہے، اصلاح اخلاق کے لیے پئے تو حسن خلق پیدا ہوتا ہے، تنگیٔ سینہ کے لیے پئے تو شرح صدر حاصل ہوتا ہے، تاریکیٔ قلب کے لیے پئے تو نورانیت حاصل ہوتی ہے، تکالیف کے لیے پئے تو آرام حاصل ہوتا ہے۔غرضیکہ زم زم پیتے وقت جو نیت کر لی جائے، اس کے مطابق فوائد مطلوبہ حاصل ہوتے ہیں''۔(نوادر الاصول)

زم زم کو دیکھنا بھی ثواب سے خالی نہیں ہے۔چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ وہب بن منبہ اور مکحول سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''قصداً زم زم کو نظر بھر کر دیکھنا بھی عبادت ہے۔اور اس عمل سے گناہ محو ہوتے ہیں''۔(فیض القدیر)

تحفۂ حجاج...زم زم: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو زم زم ضرور ساتھ لائے''۔(سنن ترمذی، مستدرک)

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بار جب سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ کو خط مکہ مکرمہ خط تحریر فرمایا تو زم زم بھیجنے کی تاکید فرمائی۔(مصنف عبدالرزاق)

ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہم

آخری ملاقات کے یادگار لمحات

شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد عبیداللہ قدس سرہٗ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ کی عیادت کے لئے احقر خلیل احمد تھانوی، مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی، حافظ محمد احمد صدیقی، اور حافظ محمد میاں تھانوی، مولانا کے گھر حاضر ہوئے خادم نے ہمیں پائیں باغ میں بٹھایا کہ آپ لوگ تشریف رکھیں مولانا ابھی تھوڑی دیر میں تشریف لانے والے ہیں۔ ہم بیٹھ کر انتظار کررہے تھے کہ اچانک مولانا عبیداللہ صاحب وھیل چیئر پر تہبند اور سفید کرتا زیب تن کئے ہوئے خادم کے ہمراہ تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے وہاں چل کر بیٹھوں وہاں میرے پیارے اللہ جی کا نام نظروں کے سامنے رہیگا۔ مولانا کے الفاظ میں عشق الٰہی کا ظہور ہورہا تھا مولانا کے اس باغ میں مالی نے مروہ کے پودوں سے کٹنگ کرکے بہت خوبصورت ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ مولانا نے خادم سے کہا کرسی وہاں رکھو۔ مولانا اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ ان کی نظریں لفظ اللہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

قاری احمد میاں صاحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت آپ نے حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی سے قراءات پڑھی ہیں۔ حضرت کی آنکھوں میں ایک چمک سی نمایاں ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ حضرت ماضی کی خوشگوار یادوں میں گم ہوگئے ہوں چند لمحے بعد گویا ہوئے الحمدللہ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے میزان سے لیکر دورہ حدیث تک کی تمام کتب کا آغاز حکیم الامت سے کیا۔ میرے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ حکیم الامت کے عاشق زار تھے ہر سال رمضان المبارک حضرت کی خدمت میں گذارتے اور عید کرکے واپس آتے مجھے بھی ہمراہ

لے جاتے اور آئندہ سال دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے والی سب کتابوں کا ابتدائی سبق حضرت شروع کراتے اور رمضان میں حضرت سے وقتاً فوقتاً استفادہ کرتا رہتا۔

قاری احمد میاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے قراءات مدرسہ صولتیہ مکرہ مکرمہ میں قاری عبداللہ صاحب سے سیکھی ہیں۔ اور آپ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے، تو پاکستان میں غالباً قراءات میں آپ کی سند سب سے عالی ہے۔ حضرت اگر قراءات کی سند کی اجازت مرحمت فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔ حضرت نے فرمایا درکار خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست۔ پھر قاری صاحب کو حکم دیا کہ تھوڑی سی تلاوت کرلو۔ قاری صاحب نے سورہ فاتحہ اور اوائل بقرہ کی تلاوت فرمائی تو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب تھانہ بھون کی یادوں میں گم ہو گئے۔

پیر بھائی

قاری صاحب تلاوت سے فارغ ہوئے تو مولانا گویا ہوئے۔فرمایا کہ حکیم الامت کا معمول تھا کہ جب کوئی ان سے بیعت کی درخواست کرتا اور حضرت اس کو بیعت فرمانا بھی چاہتے تو خانقاہ میں موجود تمام خلفاء ومریدین سے فرماتے کہ تم بھی تجدید بیعت کرلو تاکہ تمہیں بھی برکت حاصل ہوجائے پھر سب لوگ ایک کپڑے کو پکڑ لیتے اور بیعت کا سلسلہ شروع ہوجاتا اس طرح ایک مجلس میں بیعت ہورہی تھی میں بھی حاضر تھا مجھ سے بھی کپڑا پکڑ کر بیعت ہونے کے لئے فرمایا جب بیعت سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

''عبیداللہ (مفتی) محمد حسن تمہارے ابا تھے آج سے تمہارا پیر بھائی ہے''۔

مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کی جو کیفیت اس وقت ہورہی تھی وہ میری نظروں میں گھوم رہی ہے۔ پھر تو گویا تھانہ بھون کی مجلس ہی شروع ہوگئی۔

تین تھپڑ

حضرت نے فرمایا میری عمر ۹۔۱۰ سال کے قریب تھی خانقاہ میں حاضر تھا۔ خانقاہ

اشرفیہ میں ہر بات کا ضابطہ اور قرینہ تھا بے ضابطگی اگر کسی سے سرزد ہوئی فوراً گرفت کی جاتی۔حکیم الامت کی مجلس بعد ظہر شروع ہوکر عصر تک چلتی نماز عصر سے تھوڑی دیر قبل مجلس برخواست ہوتی لوگ استنجاء وغیرہ سے فراغت کر کے وضوء کر کے نماز کی تیاری کرتے بعد عصر ختم خواجگان پڑھا جاتا اور پھر دعائیں ہوتی تھیں۔ خانقاہ کے باہر بیت الخلاء بنے ہوئے تھے۔ بیت الخلاء سے آکر جوتے خانقاہ سے باہر سیڑھیوں سے پہلے اتارنے ہوتے تھے کہ بیت الخلا میں پہن کر جانے والے جوتے خانقاہ میں نہ لائے جائیں مبادا جوتے میں نجاست لگی ہو اور وہ پھر خانقاہ اور مسجد کو آلودہ کردے۔

مجلس سے فراغت کے بعد میں بیت الخلاء گیا اور چونکہ بچہ سا تھا اس لئے اس بات کی احتیاط نہیں کی کہ جوتے سیڑھیوں سے پہلے اتار کر آؤں اوپر ہی جوتے رکھدئے اور مسجد میں آ گیا۔حضرت جب رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت نے جب اپنا جوتا رکھا تو وہ میرے جوتے سے ٹکرایا۔حضرت نے جب دیکھا تو پریشانی ہوئی کہ بیت الخلاء میں سے لا کر جوتا یہاں کس نے رکھا حسب قواعد خانقاہ باز پرس شروع ہوگئی یہ جوتا کس کا ہے؟ سب حاضرین پریشان ہوئے کوئی جواب نہیں دیتا تین مرتبہ سوال کیا یہ جوتا کس کا ہے۔اب جو میں نے دیکھا تو اپنے والد مفتی حسن صاحب سے عرض کیا کہ میرا ہے۔انہوں نے کہا جا کر بتاؤ۔ اور مفتی صاحب پریشان ہوگئے ان پر کپکپی طاری ہوگئی دیکھئے اب حضرت کیا حکم دیتے ہیں۔میری نظروں میں وہ منظر گھوم رہا ہے۔میں نے جا کر عرض کیا میرا ہے۔تو تین تھپڑ میری گدی پر رسید فرمائے اور فرمایا:

''جوآتا ہے نواب زادہ بن کر آتا ہے''۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ بار بار اس جملے کو دھرا رہے تھے تین تھپڑ رسید فرمائے گویا اس کی لذت کو محسوس کررہے تھے اور بزبان حال کہہ رہے تھے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

مولانا کے انداز گفتگو سے حکیم الامت سے ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ہو رہا تھا۔ مزے لے لے کر کافی دیر تک اس جملہ کو دھراتے رہے پھر فرمایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء ان کے عاشق زار تھے۔ سب یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ جب مجھے تین تھپڑ رسید فرما کر تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب غوری خلیفہ اجل حکیم الامت تھانوی بھاگے ہوئے آئے اور مجھ سے فرمانے لگے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے تجھے تین تھپڑے نصیب ہوئے ہمیں تو اتنی مدت ہوگئی ہے ایک تھپڑ بھی نصیب نہ ہوا۔ اور جس جگہ حکیم الامت نے گردن پر تھپڑ مارے تھے اس جگہ تین پیار کئے اور بار بار فرمارہے تھے تو بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت تھانوی نے عصر کے بعد مفتی صاحب کو بلایا مفتی صاحب پریشان ہوگئے کہ دیکھئے اب کیا حکم صادر ہوتا ہے حضرت نے ایک کاغذ کی پڑیا عطا فرمائی جس میں مٹھائی کا چورا تھا کہا یہ عبید اللہ کو دیدینا۔ مفتی صاحب قدس سرہٗ اس مٹھائی کو لیکر اسقدر مسرور ہوئے کہ ساری پریشانی رفع ہوگئی۔ اور خوشی خوشی وہ مٹھائی لا کر کھلائی۔

پھر پوچھا اچھا بھئی یہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ محمد احمد صدیقی بن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے عرض کیا کہ حضرت قاری احمد میاں صاحب نے قراءات کی سند کی اجازت مانگی تھی۔ حضرت نے فرمایا ہاں بھئی اجازت ہے کیوں نہیں۔ یہ لمحات ہم سب کے لئے انتہائی سحر انگیز تھے کہ حضرت قاری احمد میاں صاحب تھانوی کی برکت سے ہم بھی اس اجازت میں ایسے ہی شریک ہوگئے جیسے مولانا عبید اللہ صاحب حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے ساتھ بیعت میں شریک ہوگئے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب قدس سرہ سے ہم سب نے دورہ کے اسباق اور دیگر اسباق بھی پڑھے ہوئے ہیں اور مولانا

سے باقاعدہ شرف تلمذ سب ہی کو حاصل ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب نے پوچھا کوئی اور بات قاری صاحب نے عرض کیا کہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کی شوریٰ کا اجلاس ہورہا ہے۔ حضرت سے اس میں شرکت کی درخواست بھی کرنی تھی (حضرت مولانا جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کی مجلس شوریٰ کے صدر تھے) فرمایا میرے ضعف کا حال تم دیکھ ہی رہے ہو۔

قاری صاحب نے عرض کیا مولانا فضل الرحیم صاحب کو حضرت اپنا قائم مقام مقرر فرمادیں تاکہ وہ شرکت فرما کر ضروری کاروائی پر دستخط فرمادیں۔ فرمایا کہ مولانا مشرف علی تھانوی مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے نام میری طرف سے ایک تحریر اس مضمون کی لکھ لو میں دستخط کردونگا۔ جب تحریر لکھ کر حضرت کو سنائی گئی تو فرمایا پہلے ایک شعر سن لو پھر دستخط کرونگا۔

حضرت مولانا کو ہزاروں اشعار عربی اردو کے یاد تھے پھر مولانا نے یہ شعر پڑھا اور دستخط فرمادئے۔

سستے چھٹے جو راہ محبت میں سر گیا
اور سر کے ساتھ ہی خلش دردسر گئی

بعدازاں حضرت نے سب کو دعائیں دیکر رخصت فرمایا۔ اور اس کے تین روز بعد ہی حضرت اس دارفانی سے دارالبقاء کوکوچ فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہ تعالیٰ تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے
ہوئے زیر پیر و جواں کیسے کیسے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ احقر نے حضرت کی چند تواریخ وفات قلم بند کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

تواریخ وفات

حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب کی تواریخ وفات جملوں کی شکل میں ان کی صفات کا مظہر ہیں اور قرآنی آیات سے ماخوذ ان تواریخ کو مولانا مرحوم کے لئے نیک فال سمجھتے ہوئے اس تناظر میں پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم کہیں بھی ہو موت تم کو پکڑ لے گی۔حضرت مولانا مرحوم نے انتقال سے چند گھنٹے قبل وصیت ونصیحت فرماتے ہوئے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔دوسری آیت مشیر ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور رسولوں نے سچ کہا ہے۔تیسری تاریخ میں بشارت ہے کہ جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔

چوتھی تاریخ میں خوشخبری ہے کہ وہاں نہ خوف ہوگا نہ غم پانچویں تاریخ میں بشارت ہے کہ اللہ پاک بہت مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔چھٹی تاریخ میں بشارت ہے کہ تم پر اللہ کی نعمت مکمل ہوگئی ساتویں تاریخ میں اشارہ ہے کہ جنت میں تمہاری من پسند چیزیں ملیں گی۔آٹھویں تاریخ میں حکم ہے جنت کا پاکیزہ رزق کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔

(۱) قطب زمان — مولانا محمد عبیداللہ رحمہ اللہ — فوت ہوگئے

۲۰۹ + ۶۹۱ + ۵۳۷ = ۱۴۳۷ھ

(۲) شیخ الحدیث — سیدنا جناب — مولانا محمد عبیداللہ

۱۴۶۳ + ۱۸۱ + ۳۷۲ = ۲۰۱۶ء

(۳) الحاج — مولانا محمد عبیداللہ — ابن مولانا مفتی محمد حسن صاحب

۴۳ + ۳۷۲ + ۱۰۲۲ = ۱۴۳۷ھ

(۴) محمود ومکرم — مولانا محمد عبیداللہ — مہتمم جامعہ اشرفیہ

۴۰۴ + ۳۷۲ + ۱۲۴۰ = ۲۰۱۶ء

(۵) الحاج مولینا محمد عبیداللہ — خطیب مسجد الحسن جامعہ اشرفیہ

۴۲۴ + ۱۵۹۲ = ۲۰۱۶ء

(۶) کہا ہے، اینما تکونوا یدرککم الموت

۴۱ + ۱۳۹۶ = ۱۴۳۷ھ

(۷) وقال جل حکمه ، هذا ما وعدالرحمٰن وصدق المرسلون

۲۴۳ + ۱۷۷۳ = ۲۰۱۶ء

(۸) لقال اللّٰه جل امره، ادخلوها بسلام آمنین

۵۰۶ + ۹۳۱ = ۱۴۳۷ھ

(۹) انما قال جل کلامه، لا خوف علیهم ولا هم یحزنون

۳۵۲ + ۱۰۸۵ = ۱۴۳۷ھ

(۱۰) فقال عزوجل، وکان اللّٰه غفورا رحیما

۳۲۷ + ۱۶۸۹ = ۲۰۱۶ء

(۱۱) ولقد قال جل وعده، ”واتممت علیکم نعمتی“

۳۸۹ + ۱۶۲۷ = ۲۰۱۶ء

(۱۲) فقد قال جل جلاله، ولکم فیها ما تشتهی انفسکم

۴۱۷ + ۱۵۹۹ = ۲۰۱۶ء

(۱۳) ولقد قال جل وعده کلو من طیبات ما رزقناکم واشکروا للّٰه

۳۸۹ + ۱۶۲۷ = ۲۰۱۶ء

بدلِ شکستہ خلیل احمد تھانوی

۸۲۱ + ۱۱۹۵ = ۲۰۱۶ء

خلیل احمد تھانوی، لاہور

۱۱۹۵ + ۲۴۲ = ۱۴۳۷ھ

محمد حبیب اللہ بن قاری شرافت اللہ

حضرت استاد جی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۴ / جمادی الاولیٰ بروز ہفتہ رات دس بجے یہ دلدوز اطلاع ملی کہ ہمارے محترم ومکرم جامعہ حقانیہ کے صدر مدرس حضرت استاد جی مولانا محمد ظفر اللہ صاحب جھنگ ہسپتال میں انتقال فرما گئے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر سب گھر والوں پر بجلی بن کر گری، تمام گھر والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس کو کن الفاظ میں تسلی دیں۔ ساری رات استاد جی کی آوازیں کانوں میں گونجتی رہیں۔

حضرت استاد جی رحمہ اللہ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے، ان میں ایک خداداد صلاحیت یہ بھی تھی جو شخص ایک بار استاد جی سے ملتا ان کا ہی ہو کر رہ جاتا۔ جب بھی ہمارے ہاں سلانوالی جامعہ امدادیہ میں تشریف لاتے جلسہ کے انتظام کے متعلق مشورے بھی دیتے اور خود بھی بار بار انتظام دیکھتے۔ حضرت استاد جی بچوں کے ساتھ بچے اور بڑوں کے ساتھ بڑے بن جاتے، ہر مسئلہ خواہ وہ دینی امور سے متعلق ہو یا گھریلو مسئلہ ہو ہم بلا تکلف استاد جی کو بتا دیتے اور پھر استاد جی اچھے مشورہ سے بھی نوازتے اور حکم بھی ارشاد فرماتے۔

حضرت استاد جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پسماندگان میں ایک بیٹی اور تین بیٹے چھوڑے، اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو اپنے والد صاحب کا جانشین بنائے، آمین۔

استاد جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نماز جنازہ حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم نے پڑھایا، جنازہ میں علماء وطلباء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت استاد جی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کامل مغفرت فرمائیں اور ان کی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔

ابوحماد قاری محمد عبیداللہ ساجد زیدمجدہ

ایک تبلیغی واصلاحی سفر کی روئیداد

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علٰی رسوله وعلٰی آله واصحابه اجمعین امابعد:

اللہ پاک کا شکر کس زبان سے ادا کروں اور کس ادا سے بجالاؤں کہ اس نے محض اپنے احسان وکرم سے مجھ ناکارہ کو اخی المکرّم سیدی ابن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضھم کی معیت میں ڈیرہ غازیخان ڈویژن کے اضلاع راجن پور، مظفرگڑھ، ڈیرہ غازیخان کا سفر نصیب فرمایا، فللہ الحمد۔

راجن پور ضلع پنجاب کا آخری ضلع ہے، اس کی سرحد سندھ صوبہ کے ضلع کشمور سے ملتی ہے۔ اس سفر کا مقصد علمی دینی واصلاحِ عوام تھا۔ حضرت مخدوم ومکرم مولانا رشید احمد شاہ جمالی مدظلہم مہتمم مدرسہ صدیق اکبر وخانقاہ رشیدیہ نیو ماڈل ٹاؤن ڈیرہ غازیخان کی طرف سے سالانہ جمعہ پر بیان کی فرمائش وخصوصی دعوت موصول ہوئی۔ اس کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے شکارپور (ضلع راجن پور)، فاضل پور اور جام پور کے احباب کی درخواست پر سفر کو طول دیا۔

بدھ ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ موافق ۲/ مارچ ۲۰۱۶ء

بندہ فاروقہ سے صبح ۶:۴۰ پر روانہ ہوکر ۷:۱۰ پر جامعہ حقانیہ ساہیوال حاضر ہوا۔ بوقت روانگی حضرت مفتی صاحب نے بندہ کو (عطر) خوشبو کا تحفہ مرحمت فرمایا۔ ۷:۲۵ پر جامعہ حقانیہ ساہیوال سے فاضل پور کے لیے روانہ ہوئے، قائد سیارہ قاری غلام عباس صاحب زیدمجدہ تھے اور محترم سید محمد صدیق شاہ صاحب زیدفضلہ ہمراہ تھے۔

مسلسل سفر جاری رکھتے ہوئے ساڑھے تین سو کلومیٹر کے بعد فاضل پور ایک بج کر چالیس منٹ پر آمد ہوئی۔ ۲/ بجے نماز ظہر باجماعت ادائیگی کے بعد طعام کا نظم ہوا۔

۳:۳۰ پر مدرسہ حقانیہ ساہن سوافاضل پور میں حضرت مفتی صاحب کا علماء وعوام میں بیان ہوا۔ بعد بیان حدیث مبارکہ کی اجازت عامہ اور مسلسلات کی اجازت علماء کی خواہش پر حضرت مفتی صاحب نے اجازت دی، ان گیارہ علماء کرام کو اجازت حدیث کے بعد پانچ کو مسلسلات کی اجازت عطا فرمائی، فللہ الحمد۔

نماز عصر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی اقتداء میں پڑھ کر یہاں سے موضع شکار پور روانگی ہوئی۔ انڈس ہائی وے پر کوٹلہ عیسن موڑ پر احباب نے حضرت کا استقبال فرمایا، ان کی معیت میں شکار پور پہنچے۔ مدرسہ حقانیہ للبنات میں جس کا سنگ بنیاد حضرت مفتی سید عبدالقدوس مدظلہم نے رکھا تھا قیام ہوا۔

ماشاءاللہ مدرسہ میں ناظرہ وحفظ اور دینیات پڑھائی جاتی ہے، الحمدللہ دو عالمات جو جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کی فاضلات ہیں ان کی شادی شکار پور ہوئی ہے جامعہ حقانیہ ساہیوال کا فیض عام کر رہی ہیں۔ اللہ پاک ان بچیوں کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور شر ور وفتن سے محفوظ رکھے، آمین۔

نماز مغرب حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی اقتداء میں مرکزی مسجد میں ادا کی۔ بعد نماز عشاء مدرسہ حقانیہ شکار پور گاؤں میں حضرت کا بیان ہوا، الحمدللہ بیان مؤثر زوداثر تھا اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ میزبان نے بتلایا کہ خواتین کافی تعداد میں تھیں۔ رات کا قیام مدرسہ حقانیہ للبنات میں ہی رہا۔

جمعرات ۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ ۳؍ مارچ ۲۰۱۶ء

مرکزی مسجد میں حضرت مفتی صاحب نے نماز فجر پڑھائی، بعدازاں درس ارشاد فرمایا پھر آرام کیا۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر پونے گیارہ بجے خواتین سے بیان ہوا، بعد بیان تین عالمات کو اجازت حدیث ومسلسلات کی اجازت عطا فرمائی، اسی موقع پر مقامی عالم دین مولانا مفتی محمد فاروق صاحب سلمہ کو اجازت عامہ ومسلسلات عطا فرمائی۔ نماز ظہر

کی ادائیگی کے بعد طعام ہوا۔

یہاں سے فارغ ہوکر راجن پور شہر میں ضیاء الحق شہید روڈ پر مولانا ارشاد احمد حقانی کی درخواست پر ان کے مدرسہ پہنچے۔ مولانا ارشاد حقانی نے اساتذہ کے ہمراہ حضرت مفتی صاحب کا استقبال فرمایا۔ بعدازاں درسگاہوں کا اور ادارہ کا معائنہ کروایا۔ ماشاء اللہ شعبہ حفظ کی چھ کلاسیں تھیں کم وبیش تین صد کے قریب طلبہ حفظ کے مقامی وبیرونی موجود ہیں۔ بعد میں طلبہ کو مسجد میں جمع کرلیا گیا حضرت مفتی صاحب نے طلبہ کو تعلیم قرآن کریم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور دعا فرمائی، میزبان حضرات حضرت کے بیان سے بہت مسرور ہوئے۔

یہاں سے روانہ ہوکر علاقہ کوٹ مٹھن میں دریائے سندھ کی سیر کی، نواب آف بہاول پور کے دریا کی بیٹ میں ناکارہ وفانی جہاز کو دیکھا اور عبرت حاصل کی۔ عصر ومغرب راستہ میں ادا کی، قبل عشاء مسجد عثمانیہ صدر بازار جام پور پہنچے، محترم جناب سید قاری محمد اکبر شاہ بخاری مدظلہ نے اہلاً وسہلاً کہا۔ نظم کے مطابق حضرت کا بیان نماز عشاء کے بعد تھا، رات کا قیام مسجد عثمانیہ کے متصل مکان میں ہوا۔

جمعہ ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ ۴ / مارچ ۲۰۱۶ء

نماز فجر حضرت نے مسجد میں پڑھائی بعدازاں درس ارشاد فرمایا، بعد درس ناشتہ اور تقریباً ۹ بجے جام پور روانہ ہوکر ڈیرہ غازیخان مسجد صدیق اکبر پہنچے۔ قبل جمعہ حضرت نے آرام فرمایا ایک بجے قبل جمعہ بیان فرمایا، خطبہ جمعہ اور امامت فرمائی بعدازاں عوام کے جم غفیر سے سلام ومصافحہ کیا، طعام کے نظم سے فارغ ہوکر ڈیرہ غازیخان کے مضافات میں ایک خدارسیدہ بزرگ ہمارے شیخ پیر طریقت حضرت اقدس مولانا رشید احمد شاہ جمالی مدظلہم کے شیخ حضرت مولانا شاہ علی المرتضیٰ نور اللہ مرقدہ فاضل مظاہر علوم سہارنپور کی خانقاہ گدائی شریف حاضری ہوئی، محترم مولانا محمد اسحاق اور ان کے برخوردار نے چشم براہ کیا، نماز عصر باجماعت خانقاہ کی مسجد میں ادا کی۔ بعد نماز حضرت کے مرقد پر ایصال ثواب کیا، قبل مغرب

مسجد الرحمٰن ڈی بلاک ڈیرہ غازیخان پہنچے۔ بعد میں حضرت مفتی صاحب کا بیان ہوا۔ نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد جامعہ اشرفیہ کالا کالونی مولانا عبدالرشید صاحب کے ہاں پہنچے۔ رات کا قیام جامعہ اشرفیہ میں ہوا۔

ہفتہ ۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ ۵ / مارچ ۲۰۱۶ء

قبل ظہر جامعہ اشرفیہ تونسہ روڈ کالا کالونی میں حضرت کا بیان ہوا، وہاں طلبہ وعلماء کافی تعداد میں موجود تھے، حضرت نے طلبہ کی دستار بندی کی اور بعد میں کم وبیش ۲۵ علماء کو مسلسلات اور حدیث کی اجازت عامہ عطا فرمائی، نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد قصبہ شادن لنڈ پہنچے۔ مولانا مفتی ثناء اللہ عثمانی زید مجدہ نے مرحبا کہا، بعد نماز حضرت کا بیان ہوا۔ نمازِ عشاء پڑھ کر سنانواں کے لیے روانہ ہوئے، قائد سیارہ کے ذہول کے سبب سفر طول پکڑ گیا، شادن لنڈ سے تونسہ بیراج کی بجائے انڈس ہائی وے پر گاڑی رواں دواں رہی۔ بیس پچیس منٹ کے بعد بندہ نے کہا کہ دریائے سندھ ابھی تک نہیں آیا؟ جواب ملا صحیح جارہے ہیں۔ خیر اس ذہول کے سبب تونسہ شریف کی ہوا سے استفادہ ہی نہیں بلکہ کوٹ ٹبی قیصرانی تک سفر ہوگیا، وہاں پر ان کو خیال آیا واقعی غلط راستے پر آ گیا ہوں، وہاں سے واپسی ہوئی اس طرح ایک سو بیس کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے بعد واپس شادن لنڈ پہنچے، یہاں سے سنانواں کے لیے روانہ ہوئے، کوٹ ادو داخل ہوتے وقت عزیز محترم مولانا عبدالناصر سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موبائل کی گھنٹی بجی فون اٹھایا تو عزیزم نے لرزتی ہوئی آواز میں بتایا کہ مولانا محمد ظفر اللہ اب اس جہان فانی میں نہیں رہے۔ حضرت مفتی صاحب کو اطلاع کردیں، بے ساختہ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہوگیا۔ ع اک موج تھی کہ دوش صبا پر گزر گئی

بفضل رب تعالیٰ مولانا مرحوم سے میرے مدت مدید سے برادرانہ تعلقات تھے، ہر جمعہ پر ملاقات، کبھی جامعہ حقانیہ ساہیوال میں کبھی فون پر بات چیت ہوجاتی، علم وعمل میں ان کی ہمیشہ سرپرستی رہی، ان کے مفید مشورے اور ہمت افزائی میرے لیے ہمیشہ باعث

افتخار ہے، گاہے گاہے عزیزم حماد سلمہ کے ذریعے بھی ان کی عافیت کی خبر ملتی رہتی تھی، ہم ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان کو دعائیں دیتے تھے۔

مولانا مرحوم نے عجب طبیعت پائی تھی، ان میں کبھی غرور، تکبر، نخوت، اور خشونت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی، وہ اکابر علماء حق کا عکس نظر آتے تھے۔ روایتی علماء کی طرح نہ تو طبیعت میں یبوست سے ان کا خمیر اٹھا تھا اور نہ ہی اپنے اوپر خود ساختہ مسکنت و عاجزی طاری کئے رکھنے کے قائل تھے۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

بہر حال بندہ نے حضرت کو اطلاع دی، خاموشی چھا گئی حضرت نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اس سے قبل حضرت مفتی صاحب نے اشارۃً ایک خواب کا ذکر کیا تھا شاید تعبیر اس کی اسی پر محمول ہو، واللہ اعلم۔

مولانا کے انتقال کی اطلاع ملنے سے حضرت کی طبیعت پر گہرا اثر ہوا، رات بھر کروٹیں بدلتے رہے سو بھی نہ پائے۔ رات سنانواں میں قیام ہوا، میزبان محترم عظیم ابن عظیم جناب ڈاکٹر عبدالشکور عظیم زید فضلہ نے خوب اکرام کیا، خوب راحت کا خیال رکھا، تیل کی مالش سے سکون پہنچایا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اتوار ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ ۶ / مارچ ۲۰۱۶ء

نماز فجر حضرت مفتی صاحب کی اقتداء میں پڑھی گئی، بعد نماز ناشتہ سے فارغ ہوئے تقریباً ۷ بجے سنانواں سے روانہ ہوئے۔ مولانا مرحوم کے جنازہ کا وقت ۱۰ بجے طے تھا، بحمداللہ ۱۰ بجے سے قبل ملہوموڑ پہنچے۔ ۱۰:۳۰ پر حضرت مفتی صاحب نے جنازہ پڑھایا، تدفین حضرت کی نگرانی میں ہوئی، بعد تدفین پرسہ کے لے مولانا مرحوم کے گھر گئے، ۱:۲۵ پر وہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں نماز ظہر ادا کی۔ تقریباً سوا تین بجے جامعہ حقانیہ ساہیوال واپسی ہوئی، فللہ الحمد وله الشکر۔

ع۔ن۔ت

تعارف کتب

نام کتاب: اشاعت خاص شیخ التفسیر مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ صفحات: ۲۷۲

یہ اشاعت خاص حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی قدس سرہ فاضل دارالعلوم دیوبند کے مبارک حالات اور ملفوظات وارشادات پر مشتمل ہے۔ اکابر کا تذکرہ یا ان کے ملفوظات وارشادات بجائے خود ہوتے ہیں، سیرت نگاری کا طرز پچھلے لوگوں کے لیے ایک انمول ذخیرہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے ایک عظیم شخصیت کی سوانح مرتب کر کے امت پر ایک عظیم احسان فرمایا ہے، امید ہے کہ قارئین اس کی قدر فرمائیں گے۔

یہ سوانحی خاکہ ۸؍ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب سیرت وسوانح پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں منصب فقہ وافتاء اور فقیہانہ جلالت قدر کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں ارشادات وافادات بیان کئے گئے ہیں۔ چوتھا باب مکاتیب پر مشتمل ہے۔ پانچویں باب میں عشق رسول کے دلچسپ واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ چھٹا باب ذوق اشاعت اور تحریری کاوشوں کے متعلق ہے۔ ساتویں باب میں سلوک وتصوف پر کلام کیا گیا ہے۔ آٹھویں باب میں ذوق شعروادب اور چند پسندیدہ اشعار تحریر کئے گئے ہیں۔

امید ہے قارئین کرام اولین فرصت میں اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے۔